زیرِ سرپرستی داعیٔ اسلام شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

ماہنامہ

خضرِ راہ

جلد 1

شمارہ 1

ربیع الاول ۱۴۳۴ھ
جنوری ۲۰۱۳ء

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ : شوکت علی سعیدی
مدیر مسئول : محمد جہانگیر حسن
معاون مدیر : مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی
معاون مدیر : مولانا اشتیاق عالم مصباحی

مولانا حسن سعید
نگراں اعلیٰ شاہ صفی اکیڈمی

مجلس منتظمہ

نگراں : غلام مصطفیٰ ازہری
سرکولیشن منیجر : اشتیاق احمد عارفی
کمپوزر : رکن الدین سعیدی
تزئین کار : تنویر احمد

نوٹ: مضمون نگار کے افکار ونظریات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔ ادارہ

ترسیل زر کا پتہ : Shah Safi Academy, HDFC Bank A/c : 22631450000118

قیمت فی شمارہ	: 20 روپے
قیمت سالانہ	: 200
لائبریری اور سرکاری اداروں کے لئے	: 500
بیرون ممالک	: 40 امریکی ڈالر
لائف ممبر شپ	: 5000

ڈرافٹ SHAH SAFI ACADEMY کے نام بنوائیں

مراسلت کا پتہ

ماہنامہ خضرِ راہ
KHIZR-E-RAH (MONTHLY)
JAMIA ARIFIA, Saiyed Sarawan,
Kaushambi, Allahabad (U.P.) 212213
E-mail : khizrerah@gmail.com
Mob.: 9312922953, 7860604036

پرنٹر، پبلشر، پروپرائٹر شوکت علی نے کائنات پبلیکشن اینڈ پرنٹرس H-14 ساؤتھ ہاؤسنگ اسکیم، تلسی پور، الہ آباد، سے طبع کرا کر آفس ''ماہنامہ خضرِ راہ''، جامعہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد، یو۔ پی سے شائع کیا۔

نوٹ: رسالے سے متعلق کوئی بھی مقدمہ صرف الہ آباد کی عدالت میں قابل سماعت ہوگا

ناشر: شاہ صفی اکیڈمی / جامعہ عارفیہ سید سراواں، کوشامبی، الہ آباد (یو۔ پی)

خضرِ راہ

مدحت رسول:	مخدوم عارف صفی، شاہ احسان اللہ محمدی	۳	شرعی مسائل:	غلام مصطفیٰ ازہری	۱۲
عرفانی مجلس:	شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی	۴	شہ پارۂ اسلاف:	ابوالفضل قاضی عیاض	۱۵
اداریہ:	شوکت علی سعیدی	۵	اسرار التوحید:	شیخ محمد بن منور	۱۷
دعوت قرآن:	ذیشان احمد مصباحی	۷	مکی زندگی ایک تعارف:	ادارہ	۱۹
ضیائے حدیث:	مقصود عالم سعیدی	۱۰			

علم وعرفان

مضامین	مضمون نگار	صفحہ
کیا سیرت کا کوئی پہلو منسوخ ہے؟	غلام مصطفیٰ ازہری	۲۱
دعوت کے سری عہد کا پیغام	ضیاء الرحمٰن علیمی	۲۵
مکی زندگی قرآن میں	ساجد سعیدی	۳۱
مکی زندگی اور حقوق العباد	محمد مدثر رضا مصباحی	۳۴
عادات نبوی اور صحابہ کرام کا عمل	محمد اصغر علی مصباحی	۳۶
سیرت طیبہ اور کمال صبر	جہاں گیر حسن مصباحی	۳۸
ترک دنیا اور فکر آخرت سیرت کی روشنی میں	امام الدین سعیدی	۴۱
مکی زندگی میں جہاد	اشتیاق عالم مصباحی	۴۴
مکی زندگی میں صلح وسلامتی اور معافی	آفتاب رشک مصباحی	۴۸
تنصیب حجر اسود اور تصفیہ قریش	شاہد رضا ازہری	۵۱
مکی زندگی میں دعوت وتبلیغ	افتخار عالم سعیدی	۵۶
مکی زندگی اور ہمارا عمل	جہاں گیر حسن مصباحی	۵۴
مشکل الفاظ کے معانی اور مفاہیم	ادارہ	۶۱
آؤ اردو سیکھیں	ادارہ	۶۴

مدحت رسول

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آئے

چلو شان خدا دیکھیں ہمارے رہنما آئے
دوعالم جن سے روشن ہے وہی تو مہ لقا آئے

ملائک طَرِّقُوْا کہتے جھکے جن کی زیارت کو
وہ آج اس ناز وخوبی سے یہاں پر برملا آئے

نہ کیوں فرط مسرت سے دل عالم ہو اب تازہ
یہاں لطف وکرم سے جب ہمارے پیشوا آئے

ذرا دیکھو تو یہ آکر جمال بے مثال ان کا
نمایاں شان ہے جن کی وہ نورِ کبریا آئے

دل عارفؔ ہوا بے خود شہ خوباں کی آمد سے
پڑھو صل علی اس دم محمد مصطفیٰ آئے

مخدوم شاہ عارف صفی قدس سرہٗ

کوئی آپ سا نہ ہوا

بخدا تو اگر خدا نہ ہوا
تو خدا سے بھی تو جدا نہ ہوا

آدمی کوئی کام کا نہ ہوا
عشق میں تیرے جو فنا نہ ہوا

آپ اپنی مثال ہیں خود ہی
خوبرو کوئی آپ سا نہ ہوا

واں پہ سجدہ حرام ہے بے شک
جس جگہ ان کا نقش پا نہ ہوا

ان کے جلوؤں کی تاب پھر ہم کو
وہ تو کہیے کہ سامنا نہ ہو

فکر سود و زیاں سعیدؔ کبھی
مکتب عشق میں روا نہ ہوا

شیخ ابو سعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی

عرفانی مجلس

افادات: حضرت داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی/ ترتیب: مجیب الرحمٰن علیمی

سیرت طیبہ کا ہر پہلو نمونۂ عمل ہے

حضور داعی اسلام ادام اللہ ظلہ علینا کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت میسر آئی۔ مرشد اعظم ہادی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور دعوت وتبلیغ کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دو پہلو ہیں: ۱۔مکی زندگی ۲۔مدنی زندگی

پھر مکی زندگی کے دو پہلو ہیں: ۱۔قبل اعلان نبوت ۲۔بعد اعلان نبوت

اسی طرح مدنی زندگی کے بھی دو پہلو ہیں: ۱۔قبل فتح مکہ ۲۔بعد فتح مکہ

آپ کی زندگی کے مختلف ادوار میں آپ کی دعوت بھی متعدد مراحل سے گزرتی رہی اور پھر ایک وقت وہ آیا جب مکہ فتح ہوا اور اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد جو اصول وضوابط اور قوانین نافذ کیے گئے وہی اسلامی قوانین آج بھی جاری ہیں اور اسلامی نظام کی بقا اور حفاظت انھیں قوانین کے قیام ونفاذ میں ہے۔

اب جب بھی کوئی مرد مومن، داعی ومبلغ دعوت وتبلیغ کے میدان میں نکلے گا تو یہ ضروری ہوگا کہ مرشد اعظم نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی اس کے سامنے ہو اور سیرت طیبہ کا کوئی بھی پہلو اس کی نظر سے اوجھل نہ ہو۔ مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی روشنی میں وہ داعی ومبلغ یہ طے کرے گا کہ کب اس کو خلوت اختیار کرنا ہے، کب اسلام کی خاموش تبلیغ کرنی ہے اور کب اعلانیہ، کب اسے قریبی رشتے داروں میں اللہ کے پیغام کو پہنچانا ہے اور کب ساری کائنات کو اپنی دعوت کا مخاطب بنانا ہے، کب ہجرت کرنی ہے اور کب صلح ومعاہدہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل زندگی ہمارے لیے اسوۂ حسنہ اور نمونۂ عمل ہے۔ ایسا نہیں کہ ایک پہلو تو قابل عمل اور نمونۂ حیات ہو اور دوسرا پہلو قابل عمل نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (احزاب:۲۱) ترجمہ: بلاشبہ تمہارے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

☆☆☆

بہترین امت

اللہ رب العزت کی اس کائنات میں جب ہم غور وفکر کرتے ہیں تو اشیا کی نقل وحرکت اور کائنات کا ذرہ ذرہ گواہی دیتا ہوا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہے جو کائنات کا پالنہار ہے، کوئی ہے جو اس کائنات کو اپنے قبضہ وقدرت میں رکھے ہوئے ہے اور اسی سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی قدرت اور ربوبیت کے اظہار کے لیے اس کائنات کی تخلیق فرمائی ہے۔

جہاں رب العزت نے ہماری جسمانی ضروریات کے لیے آسمان وزمین، آگ، پانی، ہوا، پھل، پھول، پودے اور طرح طرح کی معدنیات جیسی نعمتوں سے نوازا وہیں ہماری ذہنی، فکری اور روحانی صحت کے لیے انبیا ومرسلین کو مبعوث فرمایا جو مسلسل ہماری ظاہری و باطنی صحت وتندرستی کے لیے رب کی جانب سے دیے گئے احکامات ہم تک پہنچاتے رہے۔

آدم علیہ السلام سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے انبیا ومرسلین تشریف لائے ہر ایک کا مقصد یہی تھا کہ اللہ کے بندوں کو زندگی کے اصل مقصد سے آگاہ کریں اور حقیقی پالنہار کی عبادت وشکر گزاری کی طرف مائل کریں اور اس بات کی تعلیم دیں کہ وہ اس دنیا میں کیسے زندگی گزاریں اور اس کی بے بہا نعمتوں کا استعمال کیسے کریں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد جب کفر وشرک کا دور دورہ ہوا، ہر طرف غیر اللہ کی پرستش ہونے لگی اور لوگوں نے اپنی خواہش کے مطابق آسمانی کتابوں میں کمی بیشی کی تو اس وقت اللہ رب العزت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظّمہ میں مبعوث فرمایا۔ مکہ معظّمہ کا معاشرہ کفر وشرک، بت پرستی، لہو ولعب، بداخلاقی، ظلم وجبر اور طرح طرح کی اخلاقی برائیوں میں مبتلا تھا۔ ایسے ناسازگار حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے شب وروز اس درجہ بلند اخلاق سے مزین ہو کر گزارتے ہیں کہ پورے مکہ میں صادق وامین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم النفس، نرم مزاج اور محبت واخوت سے لبریز طبیعت کے مالک ہیں۔ غریبوں، یتیموں اور کمزوروں کے لیے مشفق ومہربان ہیں۔ طبیعت پاکیزہ ہے جبکہ معاشرہ اس کے برعکس ہے۔ کوئی رفیق نظر نہیں آتا۔ کوئی محفل ایسی نہیں ملتی جس میں شریک ہوسکیں۔ قوم کی اصلاح کے لیے غور وفکر کرنا شروع کرتے ہیں۔ آبادی سے دور کچھ توشہ لے کر غارِ حرا چلے جاتے اور اپنے رب کی بارگاہ میں لولگا کر قوم کی اصلاح وکامیابی اور ان کی آخرت کی فکر میں لگ جاتے۔ یہ سلسلہ کئی سال تک چلتا رہا یہاں تک کہ رب کا پیغام وحی کی شکل میں آنا شروع ہوا اور اللہ عز وجل کی جانب سے اذن ہوا کہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دیں اور اعلان نبوت کریں۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ . (مدثر:۲)   ترجمہ: اے چادر میں لپٹنے والے، اٹھیے اور ڈرائیے!

اب وہی قوم جو آپ کو امین وصادق مانتی تھی جب انھیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی گئی تو اسی نے جھٹلانا شروع کر دیا اور دیوانہ ومجنوں تک کہنے لگی، لیکن ان میں سے بعض خوش نصیب آپ پر ایمان لائے اور ان کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب پر کفار مکہ نے ظلم و جبر کے مختلف حربے استعمال کیے۔ ایسے حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے اور اپنے اصحاب کو بھی صبر و استقامت کی تلقین کرتے رہے۔ یہ صبر و آزمائش کا زمانہ تقریباً تیرہ سال تک رہا یہاں تک کہ فتح مکہ ہوا اور دھیرے دھیرے پوری دنیا میں اسلام کا سورج طلوع ہو گیا۔

سیرت نبوی میں خلوت اختیار کرنے کا یہ پہلو قابل غور اور لائق عمل ہے۔ جب قوم کے حساس افراد ایسے معاشرے میں ہوں جہاں بداخلاقیاں اور برائیاں عام ہو جائیں، معاشرے میں زندگی گزارنا مشکل ہو جائے اور یہ یقین ہونے لگے کہ ان کے درمیان رہ کر اصلاح تو دور کی بات، کہیں ان کی بداخلاقیاں اور بری خصلتیں خود ان کے اوپر اثر انداز نہ ہو جائیں تو ایسی جگہ ہجرت کر جائیں جہاں لوگ صبح و شام اللہ کے ذکر میں مشغول ہوں اور ان میں کوئی امیر ہو اور جب امیر اجازت دے کہ اب تم لوگوں کے درمیان جاؤ اور انھیں دین کی طرف بلاؤ تو اس اجازت کو اذن الٰہی کے طور پر تسلیم کر کے مخلوق خدا کو دین کی طرف بلانے میں اپنے جان و مال کے ذریعے سے کوشش کرے۔

اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے اللہ کے نیک بندے اپنی قوم سے دور خلوت میں جا کر اللہ کی طرف لو لگاتے ہیں، اپنے آپ کو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سپرد کر دیتے ہیں اور تعلق باللہ میں مضبوطی لاتے ہیں یعنی پہلے **قوا انفسکم** پر زور ہوتا ہے اور جب انھیں یہ یقین کامل ہو جاتا ہے کہ باطل قوتیں انھیں حق سے غافل نہ کر سکیں گی تو اللہ و رسول کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور **و اھلیکم نارا** ۔(اپنے اہل کو جہنم کی آگ سے بچاؤ) پر عمل کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہر کامیابی و کامرانی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور دین کی راہ میں آنے والی ہر چھوٹی بڑی تکلیف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو یاد کرتے ہوئے صبر و استقامت سے کام لیتے ہیں۔ ایسے ہی افراد جو اللہ و رسول اور مخلوق کے ساتھ خیر خواہی کو اپنی زندگی کا مقصد بناتے ہیں، انھیں اللہ عزوجل کی طرف سے ''خیر امت'' کے تاج سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

ماہنامہ خضر راہ کا یہ خصوصی شمارہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے حوالے سے پیش کرنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ دعوتی و تبلیغی مراحل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی سیرت کو اپنانے میں بسا اوقات ہمیں تردد ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سیرت نبوی کی صحیح سمجھ ہم کو حاصل نہیں یا اس پر عمل کرنا ہمارے نفس پر بھاری تھا۔ لہٰذا اس کا ذکر اور اس سے درس حاصل کرنا ہی ہم نے چھوڑ دیا اور مدنی زندگی جو اسلام کے غلبے کا زمانہ ہے، مشکل کے بعد آسانی کا عہد ہے، اس کو اختیار کرنا ہمیں آسان معلوم ہوا۔ جبکہ آج کے حالات اس قدر دشوار ہو گئے ہیں کہ قدم قدم پر مکی سیرت کو اپنائے بغیر دین پر قائم رہنا مشکل ہے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ ہم سب کو مکی زندگی کا صحیح فہم عطا فرمائے اور موجودہ زمانے میں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اس یقین کے ساتھ کہ بانی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا ہر لمحہ ہمارے لیے نمونۂ عمل ہے۔

☆☆☆

ذیشان احمد مصباحی

الفاتحہ: ہدایت اور اعتدال کی دعا

ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما، جواُن بندوں کا راستہ ہے جن پر تونے انعام فرمایا، یہ ان کا راستہ نہیں جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کا راستہ ہے جو راہ راست سے بھٹک گئے۔ (الفاتحہ: آیت:۵-۷)

بندے کے دل میں یہ احساس پیدا ہو جانے کے بعد کہ حقیقی کارساز اللہ اور صرف اللہ ہے، اس میں یہ فطری طلب پیدا ہوتی ہے کہ وہ اپنے رب جلیل وعظیم سے ہدایت کی دعا مانگے تا کہ جو ایمان اسے ملا ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہے اور ایمان کے جو درجات اب تک اسے حاصل نہیں ہوئے ہیں وہ اللہ کے نور ہدایت سے اس پر روشن ہو جائیں۔ اس لیے اللہ نے اس مقام پر از خود اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی کہ وہ اپنے رب سے عرض کریں: ''اے رب! ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت فرما۔'' اِھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیم.

حضرت شیخ فرماتے ہیں: ''ہدایت کے تین درجات ہیں اور ہر درجے میں بے شمار طبقات ہیں:

اول: کفر وشرک سے ایمان کی ہدایت۔

دوم: ایمان سے اعمال صالحہ کی ہدایت۔

سوم: ایمان واعمال صالحہ سے احسان وقرب الٰہی کی ہدایت اور پھر ابدالآباد تک قربت سے اقربیت کی ہدایت جس کی کوئی انتہا نہیں۔''

ہدایت کے مقامات ومراتب بے انتہا حد تک بڑھتے رہتے ہیں، اس لیے ہر شخص کو خواہ وہ ہدایت کے جس مقام پر ہو، اس سے اعلیٰ ہدایت کی طلب جاری رکھنی چاہیے۔ ہر وقت اللہ سے ہدایت کی دعا کرتے رہنا انسانی مزاج ہے جب کہ اس کی ہدایت سے خود کو بے نیاز تصور کر لینا شیطانی مزاج۔ اس سے متعلق بعض باتیں بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم کے ذیل میں بھی مذکور ہو چکی ہیں۔

سورۂ فاتحہ کا آغاز حمد سے ہوتا ہے، پھر اللہ کی عبادت و طاعت اور نصرت وحمایت کا ذکر آتا ہے اور پھر آخر میں دعا پر یہ سورہ ختم ہو جاتی ہے۔ یہ دعا صراط مستقیم کی ہدایت کی دعا ہے۔ صراط مستقیم کی دعا کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی آخری دو آیتوں میں اس کی تشریح بھی کی گئی ہے۔ قرآن کی تشریح کے مطابق صراط مستقیم ان نیک بندوں کی راہ ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، اللہ کے مغضوب یا گمراہ بندوں کی راہ ''صراط مستقیم'' نہیں ہے۔ یعنی صراط مستقیم کی دو صفات ہیں؛ پہلی یہ کہ یہ راہ اللہ کے انعام یافتہ بندوں کی راہ ہے اور دوسری صفت یہ ہے کہ یہ راہ اللہ کے مغضوب اور گمراہ بندوں کی راہ نہیں ہے۔

یہاں قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ''صراط مستقیم'' تو وہی ہے جو اللہ کی راہ ہے، اس پر چل کر کچھ بندے صالح اور انعام یافتہ ہوئے اور اسی سے منحرف

ہو کر کچھ بندے مغضوب و مردود ہوئے ، پھر سورۂ فاتحہ کے اندر ہدایت کی دعا اس طرح کیوں نہیں سکھائی گئی کہ ''یا اللہ! ہمیں اپنی راہ کی ہدایت فرما'' ایسا کیوں کہا گیا کہ ''ہمیں ان کے راستے کی ہدایت فرما جن پر تو نے انعام فرمایا، نہ ان کے راستے کی جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کے راستے کی جو راہ راست سے بھٹک گئے'' آخر وجہ کیا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ یہ بات سچ ہے کہ صراط مستقیم تو وہی ہے جو اللہ کی راہ ہے، لیکن اللہ کی راہ کی پہچان اللہ کے صالح اور انعام یافتہ بندوں کے طرز عمل سے ہی ممکن ہے ۔ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی شخص براہ راست اللہ کو اپنا عملی نمونہ بنا لے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ مخلوق وہ کام کرنے لگے جو خالق کا کام ہے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیا، صدیقین، شہدا اور صالحین کو اپنی معرفت عطا فرمائی، اپنی رضا سے انھیں آگاہ کیا، ان صالح بندوں نے پورے طور پر اس معرفت کے مطابق اللہ کے تخلیقی پروگرام سے انسانوں کو آگاہ کیا، انھیں اس طرز عمل کی دعوت دی جو اللہ کو محبوب ہے اور اس طریقے پر خود چل کر دوسروں کے لیے عملی نمونہ بن گئے ۔ انھیں بندوں پر اللہ کا انعام خاص ہوا۔ سورۂ نسا:۶۹ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالح بندوں پر انعام فرمایا۔ اب یہی بندے دوسرے عام بندوں کے لیے ''صراط مستقیم'' کی علامت بن گئے ۔ اسی لیے سورۂ فاتحہ میں بندوں کو یہ دعا سکھائی گئی کہ وہ ''صراط مستقیم'' کی ہدایت کی دعا کریں جو اللہ کے ان خاص محبوب بندوں کی راہ ہے ۔

اس مقام پر عصر حاضر کا ایک اور بڑا مسئلہ حل ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ اس زمانے میں ایک طبقہ وہ ہے جو شعوری یا غیر شعوری طور پر اللہ کے انعام یافتہ بندوں کی عظمت کا منکر ہے۔ ان کے طریقے کی پیروی اور ان کی راہ کا اتباع اس پر گراں گزرتا ہے ۔ وہ ان خاص بندوں کو بھی عام بندوں میں شمار کرتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اللہ کے انعام یافتہ اور اللہ کے مغضوب بندوں میں بھی کوئی فرق کرنے کو تیار نہیں ہوتا ۔ جو آیتیں اللہ کے مغضوب بندوں کا اتباع کرنے والوں کے حوالے سے نازل ہوئی ہیں ان کو اللہ کے محبوب اور انعام یافتہ بندوں کا اتباع کرنے والوں پر چسپاں کرتا ہے۔ وہ صالحین سے توسل کو ایسا ہی سمجھتا ہے جیسا کہ کفار و مشرکین سے توسل کو۔ یہ وہ طبقہ ہے جو فرق مراتب کو سمجھنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہے ۔ سورۂ فاتحہ کی آخری دونوں آیات ایسے طبقے کے لیے صاف آئینہ ہیں ۔

اللہ کے انعام یافتہ بندوں کے حوالے سے آج ایک دوسرا طبقہ بھی ہے جو ان کے مقام و مرتبے کا قائل ہے، ان کے طریقے کے اتباع اور ان سے توسل کو جائز سمجھتا ہے، لیکن غیر شعوری طور پر یہ صالحین کی محبت اور توسل میں غلو کا شکار ہے ۔ اس طبقے سے وابستہ بعض افراد بسا اوقات یہ بھول جاتے ہیں کہ معبود و مطلوب حقیقی صرف ذات الٰہی ہے ۔ وہی صحیح معنوں میں حامی و ناصر اور معین و مددگار ہے، جس کا اعتراف بندہ **اھدنا الصراط المستقیم** سے پہلے **ایاک نعبد و ایاک نستعین** میں کر چکا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ایسے افراد کو صالحین کا محبّ اور عاشق کہنا بھی محبت اور عشق کی توہین ہے، کیوں کہ ایسے لوگ صالحین سے محبت اور عشق کا دم تو بھرتے ہیں لیکن ان کا اتباع نہیں کرتے ۔

بہر کیف! سورۂ فاتحہ کی آیات افراط وتفریط کے ان دونوں طرز عمل سے بچاتی ہیں، اگر کوئی انہیں غور وفکر سے پڑھے اور سمجھے۔

شیخ فرماتے ہیں: ''سورۂ فاتحہ واقعی تمام خوبیوں کی جامع ہے۔اللہ کی حمد سے شروع ہوتی ہے۔(**الحمد لله**) پھر اللہ کے لیے تین صفات لائی جاتی ہیں:

۱۔ربوبیت (**رب العٰلمین**) ۲۔رحمانیت (**الرحمٰن الرحیم**) ۳۔مالکیت (**مالک یوم الدین**)

اس کے بعد والی آیات میں اللہ کی ذات اور اس کی تینوں صفات کے مقابل بندوں کے اوپر اس کے چار حقوق بیان کیے گئے ہیں:

۱۔تنہا معبود وہی ہے (**ایاک نعبد**)

۲۔حقیقی معین وکارساز وہی ہے (**ایاک نستعین**)

۳۔ہدایت اسی سے طلب کرنی ہے (**اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم**)

۴۔اس کے غضب سے اسی کی پناہ لینی ہے۔(**غیر المغضوب علیھم و لاالضالین**)

گویا جب اس کے اندر ہر کمال کی صفت اور ہر صفت کا کمال موجود ہے تو بلا شرکت غیر معبود والٰہ وہی ہوگا۔صرف اسی کی عبادت کی جائے گی -- جب سارے جہانوں کا رب وہی ہے، بے مانگے ہر وقت سب کی حاجتیں وہی پوری کرتا ہے تو ایسے میں کچھ مدد لینی ہو تو غیر سے کیوں لیں، صرف اسی کی مدد چاہیں جو بے مانگے اپنے منکروں کو بھی کھلاتا پلاتا ہے، وہی حقیقت میں سب کا پالنہار ہے -- جب سب سے زیادہ کرم گستر، رحیم وکریم اسی کی ذات ہے تو ہدایت کی دعا، جس کے بغیر آخرت میں فلاح ممکن نہیں، اسی سے مانگیں؛ کیوں کہ وہ مہربان ہے، اس سے ہدایت کی دعا مانگیں گے تو ضرور ہدایت یاب فرمائے گا -- اور اسی طرح جب حساب و کتاب کے دن کا تنہا مالک وہی ہے تو اس دن اس کے عذاب وعتاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا، ایسے میں اس کے عذاب سے اسی کی پناہ مانگنی چاہیے اور وہ اس طور پر کہ وہ ہمیں مغضوب اور بھٹکے ہوئے بندوں کی راہ سے بچالے۔''

سورۂ فاتحہ کا ایک نام سورۂ دعا بھی ہے۔نماز جو عبادت ودعا کی ایک کامل ترین شکل ہے، شریعت نے اس کے اندر سورۂ فاتحہ کی تلاوت کو واجب کردیا ہے ۔اس میں غالباً حکمت یہ ہے کہ بندہ جب اپنے رب کے حضور کھڑا ہو تو وہ دعا کرے جو خود اس کے رب کی سکھائی ہوئی بلکہ اتاری ہوئی ہے۔نہایت ہی پیاری دعا، جس میں آداب دعا کا مکمل طور پر لحاظ رکھا گیا ہے۔رب کے حضور کھڑے ہو کر اس کو پکارنے اور اس سے مانگنے کی ادا کتنی نرالی ہے کہ بندہ سب سے پہلے اللہ کی حمد وثنا بجالاتا ہے، پھر سچائی کے ساتھ اس کا اعتراف کرتا ہے کہ اس کا معبود اور کارساز صرف اللہ ہے جو رحمٰن ورحیم ہے، پھر اس کے بعد اس سے مانگتا ہے اور پھر مانگتا ہے بھی تو کتنی پیاری چیز، انعام یافتہ بندوں کے راستے پر قائم ہوجانے کی توفیق اور اللہ کے مغضوب اور گمراہ بندوں کے راستے سے بچ جانے کی دعا۔اللھم آمین!

کاش یہ دعا ہم کبھی پورے حضور قلبی اور اخلاص نیت کے ساتھ بھی مانگتے! (جاری)

وحی نازل ہونے کی ابتدا

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب چالیس سال کے ہوئے تو منصب نبوت ورسالت کے اعلان کا حکم دیا گیا۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیرہ سال مکہ میں رہے پھر جب ہجرت کا حکم دیا گیا تو آپ نے مکہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ میں رہے۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو عمر مبارک ترسٹھ(۶۳) برس کی تھی۔ (بخاری ومسلم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا سلسلہ اچھے خواب سے شروع ہوا۔ جو کچھ آپ خواب دیکھتے اس کی تعبیر صبح کی طرح روشن اور واضح ہوجاتی۔اسی دوران تنہائی اور خلوت کا شوق پیدا ہوا اور آپ غار حرا میں گوشہ نشیں رہنے لگے۔ جہاں آپ کھانے پینے کی چیزیں لے جاتے اور گھر واپس ہونے سے پہلے تک مسلسل عبادت کرتے رہتے۔حضرت خدیجہ کے پاس آتے اور پھر کچھ دنوں کے لیے کھانے کی چیزیں لے کر واپس غار میں چلے جاتے۔

(یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا) یہاں تک کہ آپ غار ہی میں تھے کہ تجلیات حق کا نزول ہوا، پھر حضرت جبریل آئے اور عرض کیا:اقرأ. (پڑھئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا:ما انا بقارئ (میں پڑھنے والا نہیں)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ جبریل نے مجھ کو پکڑ کر زور سے سینے سے لگایا جس کی گرانی میں نے اپنے اندر محسوس کی، اور پھر چھوڑ دیا اور کہا:اقرأ. !(پڑھئے) میں نے پھر وہی جواب دیا کہ ما انا بقارئ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل نے دوسری مرتبہ مجھ کو پکڑ کر زور سے سینے سے لگایا اور میں نے پھر وہی کیفیت محسوس کی، اس کے بعد جبرئیل نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:اقرأ. (پڑھئے) میں نے اس بار بھی یہی کہا:ما انا بقارئ۔جبریل نے تیسری مرتبہ مجھ کو پکڑ کر زور سے معانقہ کیا، اور میں نے وہی پہلی جیسی کیفیت محسوس کی، پھر انھوں نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ ،خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ،اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْأَکْرَمُ ،الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ،عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ. (علق:۱تا۵)

ترجمہ: پڑھو اپنے پروردگار کے نام سے جس نے (تمھیں اور ہر چیز کو) پیدا کیا، انسان کو (رحم مادر میں) بستہ خون سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار سب سے بزرگ و برتر ہے۔وہ پروردگار جس نے قلم کے ذریعے بہت سارے علم کی تعلیم دی اور انسان کو ہر وہ چیز سکھائی جس کو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس کے بعد (فرشتہ غائب ہوگیا اور) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ (اپنے گھر) واپس آئے۔اس وقت یہ حال تھا کہ آپ وحی کے رعب کی شدت سے حیرت زدہ تھے، آپ کا دل کانپ رہا تھا اور پورے جسم پر بخار اور لرزہ کی

کیفیت طاری تھی۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور کہا کہ زَمِّلُوْنِی (مجھے چادر اڑھاؤ)۔

حضرت خدیجہ نے آپ کو چادر اڑھایا۔ کچھ دیر کے بعد رعب و دہشت کی شدت ختم ہوئی اور آپ کا خوف جاتا رہا تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ سے پورا واقعہ بیان فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھ پر خوف طاری ہے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ آپ قطعاً خوف نہ کیجیے اور آپ جو سوچ رہے ہیں ایسا ہرگز نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ کی قسم! مجھ کو پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا اور بے مراد نہیں کرے گا، اس لیے کہ آپ قرابت داروں سے حسن سلوک کا معاملہ رکھتے ہیں، اگرچہ وہ قرابت دار آپ سے اپنا رشتہ توڑ لے اور بدسلوکی کا معاملہ کیوں نہ کرتا ہو۔ آپ کبھی کسی سے جھوٹ نہیں بولتے، اگرچہ لوگ آپ سے جھوٹ بولیں یا آپ کو جھٹلائیں۔

بعض روایتوں میں یہ الفاظ بھی ہیں: تُؤَدِّی الْاَمَانَةَ.

یعنی آپ امانت کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ آپ دوسروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ آپ غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرنے کے لیے کماتے ہیں۔ آپ مہمانوں کی خاطر مدارت کرتے ہیں اور ان کی ہر طرح کی مدد کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس پہنچیں اور ان سے کہا کہ:

اے ابن عم! اپنے بھتیجے کی روداد سن لیجیے۔ ورقہ بن نوفل نے کہا: سناؤ! تم پر کیا بیتی اور تم کیا دیکھتے اور محسوس کرتے ہو؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے وہ سارا واقعہ بیان کر دیا جو آپ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

انھوں نے ساری باتیں سن کر کہا کہ تم دونوں کو مبارک ہو۔ یہ تو فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے وحی دے کر حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا تھا۔

اے کاش! تمہاری نبوت کے اظہار اور تمہاری دعوت کے اعلان کے وقت میں طاقتور جوان ہوتا۔ کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہاری قوم یعنی قریش اور تمہارے قرابت دار تمھیں شہر سے نکال دیں گے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر حیرت سے پوچھا: کیا واقعی میری قوم مجھ کو شہر سے نکال دے گی؟

ورقہ بن نوفل نے کہا: ہاں! مجھے یقین ہے کہ تمہاری قوم کے لوگ تمھیں شہر سے ضرور نکال دیں گے، کیونکہ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کوئی شخص تمہاری طرح نبوت و شریعت لے کر آیا۔ کافروں نے اس کے ساتھ دشمنی رکھی اور اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔

ایک روایت میں یوں ہے کہ جب بھی کوئی پیغمبر اس دنیا میں آیا کافروں نے اس کے ساتھ دشمنی رکھی اور اس کو سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ اگر ان ایام میں، جب تم لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاؤ گے اور اس کے جواب میں تمہاری قوم کے لوگ تمھیں تکلیف پہنچائیں گے اور تمھیں تمہارے شہر سے نکالیں گے، میں زندہ رہا تو پوری طاقت و قوت سے تمہاری مدد اور حمایت کروں گا۔ لیکن اس کے بعد ورقہ زیادہ دن زندہ نہیں رہے اور جلد ہی اس دنیا سے چلے گئے۔ (بخاری و مسلم)

☆☆☆

غلام مصطفی ازہری

عید میلاد منانے کا اسلامی طریقہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ . (ضحیٰ:۱۱)

ترجمہ: اپنے رب کی نعمت کو خوب خوب بیان کرو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت بلکہ تمام مخلوق کے لیے رحمت ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ. (انبیا:۱۰۷)

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔

مومنین خواہ انبیا و مرسلین ہوں یا اولیا یا عام مسلمان، اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر سب کے اوپر احسان فرمایا۔ قرآن کریم میں ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ. (آل عمران:۱۶۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین پر ان ہی میں سے ایک رسول بھیج کر احسان فرمایا۔

اسی لیے تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ کے موقع پر جشن منائیں، اللہ کے اس احسان عظیم پر اس کی حمد و ثنا کریں اور اس کا شکر بجالائیں۔ پھر نعمت کا چرچا کرنا انعام دینے والے کی حمد و ثنا کے ذریعے ہی زیادہ بہتر ہے اس لیے ہمیں چاہیے کہ نفل نماز، روزہ اور صدقات وخیرات کے ذریعے شکر ادا کریں کہ یہی حکم الٰہی اور سنت رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ. (کوثر:۱تا۲)

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو بے شمار نعمتیں عطا کیں، اس لیے شکرانے میں اپنے رب کے لیے نماز ادا کریں اور اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی بارگاہ میں قربان کریں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے دوشنبہ (سوموار) کے دن روزہ رکھنے کی وجہ دریافت کی گئی تو فرمایا:

ذَاكَ يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ، وَيَوْمٌ بُعِثْتُ. (مسلم، باب صیام)

ترجمہ: یہ وہ دن ہے جس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن مجھے اعلان نبوت کا حکم ہوا۔

اسی طرح ابولہب نے آپ کی پیدائش کی خبر سنانے والی اپنی خادمہ ثوبیہ کو شہادت کی انگلی سے اشارہ کر کے آزاد کیا تو اللہ نے اس کی اس انگلی کو عذاب سے محفوظ رکھا کہ جہنم میں بھی اس انگلی کو چوس کر آرام پاتا ہے۔ (بخاری، باب المراضع)

مذکورہ بالا آیات واحادیث کی روشنی میں جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ شکرانے میں نماز، روزہ اور صدقات دینا نیک عمل ہے جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ولادت کے دن روزہ رکھا وہیں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی ولادت کی نعمت پر خوشی کا اظہار خود آپ کی سنت ہے۔

عید میلاد منانے کا اسلامی طریقہ

مسلمانوں کو چاہیے کہ جشن میلاد النبی خوب منائیں، اس دن روزہ رکھیں، شکرانہ نماز ادا کریں، فقرا و مساکین اور احباب و رشتہ داروں پر اپنا مال خرچ کریں۔

اس موقع پر اپنے مال کو خصوصاً رفاہ عام اور فلاحی کاموں میں لگائیں، جیسے:

☆ دینی، اصلاحی ودعوتی میگزین اور کتابیں مفت تقسیم کریں۔

☆ مدارس، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم حاجت مند طلبہ کے لیے وظیفہ کا انتظام کریں یا ان کا داخلہ فیس ادا کریں۔

☆ غریب ومسکین جوڑوں کی شادی کرائیں یا ان کے اخراجات اپنی طرف سے ادا کریں۔

☆ مسلم ڈاکٹروں کو چاہیے کہ مفت طبی کیمپ لگائیں اور بلاتفریق مذہب وملت خدمات انجام دیں۔

☆ ہلاک کرنے والی مختلف بیماریوں سے پریشان لوگوں کی عیادت کا خاص اہتمام کریں۔

☆ اچھے اور پاکیزہ کپڑوں میں ملبوس رہیں اور اگر ہو سکے تو دوسروں کے لیے بھی اس کا انتظام کریں۔

☆ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر بلا امتیاز بچے، عورتیں، بوڑھے اور مسلم وغیر مسلم سب کے درمیان کھانے کی پاکیزہ اور حلال چیزیں تقسیم کریں۔

فضول خرچی اور خرافات سے بچیں

ہر طرح سے خوشی منائیں اور دوسروں کو بھی اس خوشی میں شریک کریں، لیکن سماجی اور شرعی دائرے سے باہر کوئی عمل نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ عشق نبی کے جوش میں فرمان نبوی کے خلاف کر بیٹھیں اور ہمارا یہ نیک عمل خرافات کی بھینٹ چڑھ جائے جیسے تعزیہ داری کے سلسلے میں ہوتا ہے کہ امام حسین کی یاد منانے کے نام پر نظام شریعت کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں۔ اس موقع پر بہت سے نوجوان آتش بازی بھی کرتے ہیں، یہ غیر اسلامی طریقہ اور حرام ہے۔ اس کے علاوہ فضولیات سے بھی پرہیز کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُواْ إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا. (بنی اسرائیل:۲۶)

ترجمہ: اور قریبی رشتہ دار، مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو اور فضول خرچی نہ کرو کیونکہ فضول خرچی کرنے والے شیاطین کے بھائی ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

معلوم ہوا کہ قریبی اور مسکین کی طرح ہم پہ مسافر کا بھی حق ہے اور یہ کہ فضول خرچی شیطانی عمل ہے جو انسان کو ناشکرا بنا دیتی ہے، اس لیے جشن میلاد مناتے وقت اس بات کا ضرور خیال رہے کہ کہیں ہمارا یہ مستحب عمل عشق رسول کے نور سے چراغاں ہونے کے بجائے ریاکاری اور فضول خرچی کی نذر نہ ہو جائے اور ہم ناشکرا کہلائیں یا کسی راہ چلتے مسافر کو کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے اور قیامت میں ہماری گرفت ہو۔ اسی طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ فرائض اور واجبات جیسے نماز، جماعت وغیرہ ترک کرنے کی وجہ سے ہمارا شمار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانوں کے بجائے نافرمانوں میں ہو جائے اور یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند ہیں۔

امن وامان قائم رکھیں

میلاد النبی کے موقع پر جلوس نکالنا پسندیدہ عمل ہے لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ جلوس نکالتے وقت سارے سماجی، ملکی اور انسانی حقوق کو بالائے طاق رکھ دیا جائے بلکہ جلوس

کے لیے کچھ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے عشق نبی کی شمع روشن بھی رہے اور کسی کو کوئی تکلیف بھی نہ محسوس ہو، کیونکہ جن کی یاد ہم منا رہے ہیں ان کی ذات خود امن عالم کی ضمانت رہی ہے،اس لیے جلوس نکالتے وقت سب سے پہلے یہ ہونا چاہیے کہ اپنا ایک امیر مقرر کر لیا جائے اور اس امیر کی نگرانی میں ہی ہر عمل کو انجام دیا جائے اور کوئی ایسی خاص جگہ متعین کی جائے جہاں پر سارے جلوس اکٹھا ہوں اور پھر وہاں سیرت رسول اور دعوت سے متعلق ایک جامع خطاب ہو۔ عام شاہراہ کا خاص دھیان رکھا جائے۔ تا کہ آنے جانے والوں کو کسی قسم کی دقت اور پریشانی نہ ہو، نیز ماحول کو پرامن بنانے کے جو بھی طریقے ہو سکتے ہیں جلوس کے وقت ان پر بالخصوص عمل کیا جائے ،مثلاً:

☆ جلوس کا ہر عمل قانون کے دائرے میں ہو اور ہر گز ہرگز قانون کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

☆ ایسے ساز وسامان لے کر نہ چلیں جس کی وجہ سے قانونی عملہ ناگواری محسوس کرے۔

☆ اگر لاؤڈ اسپیکر ہو تو اس کی آواز اسی قدر رکھیں کہ سننے والے کو لطف حاصل ہو اور ان کے دل ودماغ کو ایک سکون کا احساس ہو۔

☆ اگر راستے میں کوئی اور جلوس شامل ہو تو ایک کو دوسرے کے ساتھ ملا دیں اور ایک کو امیر بنالیں اور کسی ایک ہی لاؤڈ اسپیکر کا استعمال کریں تا کہ نعت ومنقبت پڑھتے وقت کوئی شور وغل نہ مچے اور سننے والوں کو اچھا لگے ورنہ جلوس کا اصل مقصد حاصل نہ ہوگا۔

دوسروں کو تکلیف نہ دیں

حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کا سب سے افضل درجہ **لاالٰہ الااللّٰہ** کہنا ہے اور سب سے ادنی درجہ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ہے۔ (مسلم، باب شعبۃ الایمان)

بلکہ بعض روایتوں میں تو اس عمل کو صدقہ کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

یُمِیطُ الْأَذَی عَنِ الطَّرِیقِ صَدَقَةٌ. (بخاری، اماطۃ الاذیٰ)

ترجمہ: راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا صدقہ ہے۔

چنانچہ جب جلوس بھیڑ بھاڑ کی جگہ پر پہنچے تو جہاں تک ہو سکے وہاں سے جلد نکلنے کی کوشش کی جائے بلکہ اگر ہو سکے تو جلوس کے لیے ایسے راستے کا انتخاب کریں جہاں سے گزرنا بھی آسان ہو اور دینی پیغام پہنچانا بھی۔

پوری انسانی برادری کا خیال رکھیں

اس حسین موقع پر یہ بھی ذہن میں رہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم پوری انسانیت کے لیے پیامبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلَّا کَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیرًا وَنَذِیرًا وَلَکِنَّ أَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُونَ.** (سبا:۲۸)

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے خوش خبری دینے والا اور ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن زیادہ تر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔

اس لیے ہمیں بھی چاہیے کہ جشن میلاد کے موقع پر کسی مذہب وملت کی تفریق کیے بغیر پوری انسانی برادری کی خدمت کریں اور محسن انسانیت رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی لازوال تعلیم اور ہمہ جہت پیغام کو عام کریں۔

☆☆☆

رسول کی محبت ایمان کی شرط ہے

مترجم:
حامد رضا سلطانی

ابوالفضل عیاض بن موسیٰ قدس سرہٗ اپنے عہد کے بلند پایہ عالم دین تھے۔ان کی پیدائش ۴۹۶ ہجری میں بمقام ''قیروان'' ہوئی۔آپ علوم حدیث،تفسیر،فقہ اورادب وشاعری میں مہارت رکھتے تھے۔۵۰۹ ہجری میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے اندلس گئے اور تقریباً سو شیوخ سے استفادہ کیا۔تیس سال کی عمر میں اندلس سے غرناطہ آئے اور وہاں کے قاضی مقرر ہوئے۔ان کی وفات ۵۴۴ ہجری میں مراقش میں ہوئی۔ان کی چند مشہور کتابوں میں ایک کتاب الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ ہے۔اسی سے کچھ اقتباس قارئین کی افادیت کے لیے پیش ہے۔ **ادارہ**

اللہ رب العالمین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں انسانیت کی فلاح و بہبودی کے لیے مبعوث فرمایا اور ہم سب پر اپنی اطاعت کے ساتھ ان کی اطاعت بھی لازم و ضروری قرار دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ. (نسا:۸۰)

اطاعت چونکہ محبت کا تقاضہ کرتی ہے اور محبت ہی کے سبب اطاعت وعبادت میں سوز و گداز کی لذت پیدا ہوتی ہے۔اس لیے اللہ عز وجل نے محبت کو ایمان کا اہم حصہ قرار دیتے ہوئے امت مسلمہ کو حکم دیا ہے:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَاوَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ. (توبہ:۲۴)

ترجمہ:اے محبوب! آپ فرمادیں کہ اگر تمہارے باپ دادا،تمہاری اولاد،تمہارے بھائی،تمہاری بیویاں،تمہارے رشتے دار،تمہارے مال جس کو جمع کر رکھا ہے،تمہاری تجارت جس کو تم نے حاصل کی ہے اور تمہارے پسندیدہ مکانات، تمھیں اللہ،رسول اور اس کی راہ میں خرچ کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور اللہ فسق کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو جو اپنے ماں باپ، بھائی، بہن، بیوی اور خاندان و مال ومتاع کی محبت میں چور ہوکر اللہ و رسول کی محبت اور یاد سے غافل ہیں،انھیں سخت تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر وہ اپنی حالت سے باز نہ آئیں اور اللہ و رسول کی محبت کو ہر چیز کی محبت پر غالب نہ کریں تو جلد ہی ان پر عذاب آئے گا اور وہ فاسقوں کی صف میں داخل کر دیے جائیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الإِيمَانِ،أَنْ يَكُونَ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلّٰهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي

الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ.

(بخاری، باب الایمان)

ترجمہ: جس کے اندر یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی چاشنی سے لطف اندوز ہوگا:

۱۔ جس کو اللہ ورسول سے زیادہ کوئی محبوب نہ ہو۔

۲۔ جس کو کسی شخص سے صرف اللہ کی رضا کے لیے محبت ہو۔

۳۔ جو کفر کرنے کو اتنا ہی برا سمجھے جتنا کہ آگ میں پڑنے کو برا سمجھتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: واللہ! میری اپنی جان کو چھوڑ کر آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَنْ يُّومِنَ اَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ اِلَيْهِ (إِلَيْكَ) مِنْ نَفْسِهٖ (نَفْسِكَ) (بخاری، باب الایمان)

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہ ہوگا جب تک کہ وہ اپنی جان سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے۔

پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب اتاری ہے بے شک آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آلانَ يَا عُمَرُ.

ترجمہ: اے عمر! اب تم کامل مومن ہوئے۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ جو جس سے جتنا محبت کرتا ہے وہ اتنا ہی اس کی موافقت و اطاعت کرتا ہے۔ ورنہ وہ صرف دعوی کرنے والا ہے اور اپنی محبت میں جھوٹا ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں وہی سچا ہوگا جس پر آپ کی محبت کے آثار ظاہر ہوں گے۔

آثار محبت

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرنے والا آپ کی سنت کا پابند ہوگا۔ آپ نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے اس کو دل و جان سے اپنی زندگی میں نافذ کرے گا اور جن چیزوں سے منع فرمایا ہے اس سے باز آجائے گا۔

۲۔ آسانی و تنگی اور خوشی و ناخوشی ہر حال میں آپ کی تعظیم وتوقیر بجالائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ. (فتح: ۹)

۳۔ آپ کے فرمان پر اپنی خواہشات نفسانی کو ترجیح نہ دے، جیسا کہ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے۔ وَالَّذِينَ تَبَوَّءُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ. (حشر: ۹)

ترجمہ:

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاک کثرت سے کرے، کیونکہ جو شخص جس چیز سے محبت کرتا ہے وہ اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔ نیز وہ اپنے محبوب کی ملاقات کا شوق رکھتے ہوئے اس سے قریب کرنے والے اسباب کو اختیار کرتا ہے۔ یعنی جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے تو آپ سے رشتہ وعلاقہ رکھنے والوں سے بھی محبت کرے، مثلاً اہل بیت اطہار، صحابہ، مہاجرین وانصار، (اولیا وصلحا اور مومنین) رضوان اللہ علیہم اجمعین اور جو اُن حضرات سے بغض وعداوت رکھے یا انھیں برا بھلا کہے اس سے بھی عداوت رکھے اور اس کے شر کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

(دوسری قسط اگلے شمارے میں پڑھیے)

اعتراض اور نکتہ چینی سے پرہیز کرنا چاہیے

شیخ ابوسعید فضل اللہ بن ابی الخیر محمد بن احمد میہنی قدس سرہٗ پانچویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ اور نظریۂ وحدۃ الوجود کے مبلغین میں سے ایک اہم ہستی ہیں۔ان کی پیدائش ’خراسان‘ کے ’میہنہ ‘ گاؤں میں ۳۵۷ ہجری کو ہوئی اور ۴۴۰ ہجری میں اسی جگہ وفات پائی۔ ’’**اسرارالتوحید فی مقامات ابی سعید**‘‘موسوم بہ’’ **مقامات خواجہ**‘‘ ان کی شخصیت اور ارشادات پر مشتمل ہے جسے آپ کے پوتے شیخ محمد بن منور نے ترتیب دی ہے۔یہ کتاب دنیائے تصوف کی مستند کتابوں میں سے ایک ہے۔اس کا ترجمہ **مولانا رکن الدین سعیدی** استاذ جامعہ عارفیہ نے کیا ہے جسے عام افادیت کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ **ادارہ**

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنا چاہیے کہ اس گروہ (صوفیا) کا راستہ نہایت محتاط ہے۔مشائخ نے مجاہدے کے ابتدائی زمانے میں مشق وریاضت کی نیت سے اپنے اوپر کچھ چیزیں لازم کرلی تھیں ان میں سے کچھ چیزوں کا تعلق سنت سے تھا اور کچھ کا نفل سے، جیسا کہ شیخ ابوعمرو مسحوانی قدس اللہ اسرارہما نے فرمایا کہ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث سنی ہے:

اَلْیَدُالْیُمْنٰی لِاَعَالِی الْبَدَنِ وَالْیَدُالْیُسْرٰی لِاَسَافِلِ الْبَدَنِ.

ترجمہ: داہنا ہاتھ جسم کے اوپری حصے میں استعمال کرنے کے لیے ہے اور بایاں ہاتھ بدن کے نچلے حصے میں استعمال کرنے کے لیے ہے۔

(وہ فرماتے ہیں) تب سے آج تک پورے تیس سال کا زمانہ بیت گیا مگر میرا داہنا ہاتھ میرے ناف سے نیچے نہیں گیا اور میرا بایاں ہاتھ میرے ناف سے اوپر نہیں پہنچ سکا۔ہاں! صرف اسی صورت میں کہ کسی سنت کو پورا کرنے کے لیے کبھی اس کے برعکس کرنا پڑے۔

بشر حافی قدس اللہ روحہ العزیز نے کبھی اپنے پیروں میں پائتابہ اور جوتہ نہیں پہنا،اس کی وجہ یہ بیان کی کہ حق سبحانہ و تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمُ الْأَرْضَ بِسَاطًا.(نوح:۱۹)

ترجمہ: اور اللہ نے تمہاری فلاح و بہبود کے لیے زمین کو فرش یعنی بچھونا بنایا۔

(بشر حافی فرماتے ہیں کہ) زمیں حق سبحانہ وتعالیٰ کا فرش ہے اور میں جائز نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کے فرش پر جوتا اور پائتابہ پہن کر چلوں۔

اور یوں وہ تمام عمر ننگے پاؤں رہیں۔اسی وجہ سے ان کا لقب’’حافی‘‘ پڑ گیا جس کا معنی ہے’’ننگے پاؤں رہنے والا۔‘‘

ہمارے شیخ ابوسعیدابوالخیر قدس اللہ روحہ العزیز نے فرمایا کہ جو کچھ ہم نے پڑھ رکھا تھا یا کتابوں میں دیکھا یا سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے یا اسے کرنے کا فرمان جاری فرمایا ہے اس کو ہم بجالائے اور جو کچھ ہم نے سنا تھا اور کتابوں میں دیکھا تھا کہ فرشتے اسے کرتے ہیں ہم نے اپنی ابتدائی زندگی میں ہی اس پر عمل کر ڈالا۔(اس کی تفصیل اپنے مقام پر لائی جائے گی)

تمام مشائخ قدس اللہ اسرارہم کی سیرت ایسی ہی تھی کہ انھوں نے تمام زندگی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل فرمایا اور وہ نفلی کام جو اُن بزرگوں کے اوراد میں شامل تھے ان کو انھوں نے اپنے اوپر واجب ولازم ٹھہرالیا تھا۔

واضح رہے کہ ہر وہ بات جس میں نفس کی تذلیل وتحقیر ہو اور جو دین کی راہ میں تقویٰ اوراحتیاط سے تعلق رکھتی ہو بزرگوں نے اسے اختیار فرمایا ہے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کے مذہب میں سختی ہے انھوں نے دین کے کام کو آسان کرنے کے بجائے دقت طلبی کو پسند فرمایا ہے، اسی لیے صوفیا کی جماعت نے اپنے لیے شافعی مذہب کو اختیار فرمایا۔ان کا مقصد اپنے نفس کو ذلیل، مقہور اور مغلوب رکھنا تھا اور یہ غرض بالکل نہ تھی کہ ہر دو مذاہب کی حقیقت میں کچھ فرق تھا یا دونوں امام ایک دوسرے پر فضل و فوقیت رکھتے ہیں۔ہمارے نزدیک چاروں مذاہب کے اماموں کا معاملہ خلفائے راشدین جیسا ہے۔

ہم اُن سب کے برحق ہونے پر یقین رکھتے ہیں اور دل وجان سے ان میں سے ہر ایک کو عزیز ومحبوب جانتے ہیں۔ جو فضائل اور مناقب ان کے حق میں وارد ہیں ہم ان کا بھی اعتراف کرتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ ان فضائل سے متصف اور ان مناقب کے مستحق تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفا میں سے ہر ایک کی خلافت کی (جیسی وہ تھی) ہم گواہی دیتے ہیں کہ وہ برحق خلافت تھی۔ہم اس کو برحق تسلیم بھی کرتے ہیں اور کسی بھی خلیفہ کی خلافت کا انکار نہیں کرتے۔ہم تمام لوگوں کے لیے دست بہ دعا ہیں کہ اللہ سب کو نفسانی خواہشات،تعصب،عناد اور جلن سے مغلوب ہو کر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین،ائمہ اسلاف اور مشائخ عظام کو برا کہنے سے بچائے اور اُن کی ملامت ومذمت کو جائز سمجھنے کے خیال اور وسوسے سے محفوظ رکھے، بلکہ کسی استثنا کے بغیر ان سب کو برحق یقین کرنے کی توفیق بخشے۔

اس تفصیل کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے سے بہتر سمجھنا نیکی کمانے کا بہترین ذریعہ ہے۔حالات خواہ کیسے ہی ہوں، ہمہ وقت اعتراض اور نکتہ چینی سے بچنا ایک پسندیدہ عمل ہے۔کیونکہ جتنا وقت کسی دوسرے کی لغزشوں کی تلاش میں لگے گا اتنا وقت اپنے نفس کی اصلاح میں لگانا صحت مند اور پسندیدگی سے زیادہ قریب ہے۔

اللہ رب العزت محض اپنے فضل وکرم سے تمام لوگوں کو اپنی رضا وخوشی کے راستوں سے قریب فرمادے۔(آمین)

☆☆☆

اداره

مکی زندگی: ایک مختصر تعارف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد، والد کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب اور والدہ کا نام آمنہ ہے۔ آپ کا نسبی سلسلہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلاۃ والسلام تک پہنچتا ہے۔

ولادت مبارکہ: پیدائش کے تعلق سے مختلف روایات ہیں لیکن مشہور اور معروف قول یہ ہے کہ ۱۲/ربیع الاول بروز دوشنبہ صبح صادق کے وقت مطابق ۲۲/اپریل ۵۷۱عیسوی میں ولادت مبارکہ ہوئی۔

رضاعت: سب سے پہلے ابولہب کی باندی ثوبیہ نے دودھ پلایا، پھر عرب دستور کے مطابق دائی حلیمہ لے گئیں۔ انھوں نے آپ کی پرورش بھی کی اور دودھ بھی پلایا۔

شق صدر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار یا پانچ سال حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی آغوش میں رہے۔ اسی دوران پہلی بار سینۂ مبارک چاک ہونے کا واقعہ پیش آیا۔ (اس کے علاوہ تین بار اور سینہ مبارک چاک ہونے کا واقعہ پیش آیا) اس کے بعد اپنی ماں حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کے پاس آ گئے۔

ماں کا وصال: جب آپ چھ سال کے ہوئے تو والدہ محترمہ کا انتقال ہو گیا اور آپ اپنے شفیق دادا عبدالمطلب کی کفالت میں آ گئے، وہ آپ سے بے حد محبت کرتے تھے۔

دادا کا وصال: اور جب آٹھ سال کے ہوئے تو دادا جان کا بھی انتقال ہو گیا اور آپ اپنے چچا ابوطالب کی کفالت میں آ گئے۔ انھوں نے بڑی توجہ سے آپ کی دیکھ بھال کی اور اپنے بیٹوں کے مقابلے آپ کو ترجیح دیتے تھے۔

کچھ دنوں تک آپ نے بکریاں بھی چرائیں اور چچا کے ساتھ تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر بھی کیا۔ اسی راستے میں بحیرہ راہب ملا جس نے آپ میں علامات نبوت کی نشان دہی کی اور ابوطالب سے کہا کہ انھیں لے کر واپس مکہ لوٹ جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اہل روم ان کو قتل کر ڈالیں۔

حرب الفجار: آپ پندرہ سال کے تھے جب ''حرب فجار'' پیش آیا۔ یہ وہ جنگ ہے جو حرمت والے مہینے میں قریش، بنوکنانہ اور قیس عیلان کے درمیان ہوئی تھی۔ اس جنگ میں آپ تیر اٹھا اٹھا کر اپنے چچا کو دیتے تھے۔

حلف الفضول: حرب فجار کے کچھ دنوں بعد ماہ ذی قعدہ میں ''حلف فضول'' پیش آیا۔ اس میں قبائل قریش نے عبداللہ جدعان تیمی کے مکان پر یہ قسم لی کہ وہ ہر مظلوم کی مدد کریں گے چاہے مظلوم اپنا ہو یا بیگانہ۔

نکاح: جب آپ کی عمر پچیس سال ہوئی تو حضرت خدیجہ نے جو پہلے ہی آپ کے اخلاق سے کافی متاثر تھیں، شادی کا پیغام بھیجا جسے آپ نے قبول فرما لیا۔ چنانچہ بیس اونٹنی مہر کے بدلے آپ کا نکاح حضرت خدیجہ کے ساتھ ہو گیا جن کی عمر چالیس سال تھی۔ خطبۂ نکاح آپ کے چچا ابوطالب نے پڑھا۔

کعبے کی تعمیر: آپ کی عمر پینتیس سال تھی تو کعبے کی نئی تعمیر ہوئی۔ لیکن جب اس کی دیواریں بلند ہو گئیں اور حجر اسود رکھنے کی باری آئی تو ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا۔

چار پانچ دنوں تک یہ معاملہ چلا۔ آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ

کل صبح جو سب سے پہلے کعبے میں داخل ہوگا وہی حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھنے کا فیصلہ کرے گا اور یہ فیصلہ کرنے کا حق آپ کے حصے میں آیا اور آپ کے فیصلے نے سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا۔

وحی کا آغاز: جب آپ چالیس کے ہوئے تو حضرت جبریل وحی لے کر آئے اور اللہ کا پیغام سنایا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ.

وحی کی یہ بات آپ نے سب سے پہلے حضرت خدیجہ کو بتایا۔ وہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ان کی باتیں سن کر حضرت خدیجہ کو اور یقین ہو گیا۔

دعوت کا حکم: آپ کی خاموش دعوت پر عورتوں میں خدیجہ، مردوں میں ابوبکر، بچوں میں علی اور غلاموں میں زید بن حارثہ ایمان لائے اور دعوت کا یہ سلسلہ تین سال تک چلتا رہا۔ پھر سات سال تک کھلم کھلا لوگوں کو ایک اللہ کی دعوت دی اور اس کے بعد ہجرت تک بیرون ملک اسلام پھیلایا۔

ہجرت حبشہ: یہ اسلام کی پہلی ہجرت ہے جو بعثت کے پانچویں سال عمل میں آئی۔ جب کفار و مشرکین نے حد سے زیادہ ظلم کرنا شروع کر دیا تو حکم رسول پا کر کئی مسلمانوں نے ملک حبشہ کی جانب ہجرت کی، پھر چند دنوں بعد دوسرے مسلمانوں نے بھی ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی۔

بائیکاٹ: جب اہل مکہ آپ کو اسلام سے روکنے میں ہر طرح سے ناکام رہے تو اس نے آپ کا بائیکاٹ کر دیا جس کی وجہ سے آپ کے ساتھ بنو ہاشم کے تمام افراد نے سخت تکلیف اٹھائی اور ''شعب ابوطالب'' میں مکمل تین سال تک رہنا پڑا۔

عام الحزن: اعلان نبوت کے دسویں سال پہلے ابوطالب پھر حضرت خدیجہ کی وفات ہوگئی جس نے آپ کو حد درجہ غمگین کر دیا، اسی وجہ سے یہ سال ''عام الحزن''، یعنی غم کا سال کہلایا۔

معراج: اللہ نے رات کے مختصر حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر مسجد اقصیٰ سے ساتویں آسمان اور سدرۃ المنتہیٰ تک سفر کرایا اور قرب خاص میں ملاقات سے نوازا، اسی سفر کو معراج کہتے ہیں۔ اس سفر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انمول تحفہ نماز لے کر واپس ہوئے۔

پہلی بیعت عقبہ: یہ اعلان نبوت کے گیارہویں سال کا واقعہ ہے کہ حج کے موقع پر مدینہ کے چھ آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم اپنے وطن جا کر تبلیغ کریں گے۔ پھر دوسرے سال حج کے موقع پر اوس اور خزرج کے لوگ آئے اور ان لوگوں نے دعوت و تبلیغ کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

دوسری بیعت عقبہ: اعلان نبوت کے تیرہویں سال جون ۶۲۲ عیسوی میں مدینہ کے ستّر لوگ حج کے لیے آئے اور آپ کے ساتھ ایک خفیہ میٹنگ کی، آپسی تعاون کے عہد و پیمان کیے اور ایک عہد نامہ تیار ہوا کہ اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور کسی ملامت کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے۔

ہجرت: دوسری بیعت عقبہ کے بعد ہجرت کے لیے راستے ہموار ہو گئے اور خطرات کے باوجود اسلام کی خاطر جان کی بازی لگا کر مسلمانوں نے ہجرت کی۔ سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت ابوسلمہ تھے۔

پھر کچھ دنوں کے بعد جیسے ہی اللہ کا حکم آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہمراز و ہم سفر ابوبکر صدیق کے ساتھ ہجرت فرمائی اور کفار و مشرکین ہاتھ ملتے رہ گئے۔

☆☆☆

غلام مصطفی ازہری

کیا سیرت کا کوئی پہلو منسوخ ہے؟

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا. (احزاب:۲۱)

ترجمہ: بے شک رسول اللہ کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اس امت کے لیے راہ ہدایت ہے خواہ بعثت سے قبل کی زندگی ہو یا بعثت کے بعد کی، ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے کی حیات مبارکہ ہو یا فتح مکہ کے بعد اسلام کی سر بلندی اور کفر وشرک سے حجاز مقدس کے پاک ہونے کا زمانہ، پیغمبر کی زندگی کا ہر لمحہ امتی کے لیے نشان ہدایت اور درس عبرت ہے۔

یہاں ایک بہت بڑا سوال یہ ہے کہ وہ عادات واحکام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شروعاتی مکی دور میں نافذ ہوئے پھر بعد کے زمانے میں یا ابتدائی مدنی عہد میں یا فتح مکہ کے بعد ترک کر دیے گئے یا منسوخ ہو گئے اور ان کی جگہ نئے احکام نے لے لی، اب اگر اس ابتدائی دور کے عادات واحکام کی ضرورت بعد کے دور میں بھی محسوس ہوتی ہے تو کیا ان کو نافذ کیا جائے گا یا ہر حال میں بعد میں نافذ ہونے والے احکام اور دوسرے لفظوں میں مدنی احکام پر ہی عمل کیا جائے گا، اگرچہ ہمارے درمیان مکی دور ہی کے حالات پیدا ہو جائیں؟

بعض علما اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واخلاق قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ. (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب جامع الصلاۃ)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا۔

اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی تمام صفتوں کی طرح ازلی و ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ. (یونس:۶۴)

ترجمہ: اللہ کے کلام میں کوئی تبدیلی نہیں۔

یعنی اس کا ہر حکم ازل (ہمیشہ) سے ہے اور ابد تک (ہمیشہ ہمیش) جاری رہے گا اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ دو متضاد حالات میں دو مختلف احکام دیے گئے۔ نہ تو قرآن کا کوئی حکم منسوخ کیا گیا ہے اور نہ ہی کسی آیت کی تلاوت اٹھالی گئی ہے۔ محققین علما کی ایک جماعت کے نزدیک یہی رائے زیادہ راجح اور قوی ہے، مثلا:

علامہ زرکشی ’برہان‘ علامہ سیوطی’ اتقان‘ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ’الفوزالکبیر فی اصول التفسیر‘ علامہ غماری مصری ’ذوق الحلاوۃ فی امتناع نسخ التلاوۃ‘ اور مفتی اعظم مصر ڈاکٹر علی جمعہ ’النسخ عندالاصولیین‘ میں اسی طرف گئے ہیں۔

ان کا کہنا ہے کہ قرآن کی آیت تواتر سے ثابت ہے اور جو چیز متواتر ہو اس کے مقابل میں خبر آحاد کچھ فائدہ نہیں دیتی، جب کہ جن آیات کے بارے میں نسخ کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ سب خبر آحاد سے ثابت ہیں جن کا قرآنی آیات کے مقابلے میں تسلیم کرنا عقل اور سمجھ سے باہر ہے۔

ہاں! بعض مقامات پہ کچھ آیتوں کے تعلق سے نسخ کا گمان ہوتا ہے لیکن وہاں بھی احکام کی تبدیلی نہیں (کیونکہ لاتبدیل لکلمات اللّٰہ)، ایسے مقامات پر دراصل مطلق کو مقید کیا گیا ہے یا مجمل کی تفسیر بیان کی گئی ہے یا آزمائش کے طور پر پہلے کوئی حکم دیا گیا اور پھر بعد میں اس حکم کو آسان کر دیا گیا۔

اس کے علاوہ علمائے اسلام کا کچھ ایسے اصول پر اتفاق ہے جن کی بنیاد پر عام شرعی قوانین میں تبدیلی کی جاسکتی ہے، مختلف اسباب کے تحت فقہا نے اس کی اجازت دی ہے۔ امام محمد غزالی علیہ الرحمہ ’المستصفیٰ‘ میں فرماتے ہیں:

شریعت کا مقصود یہ ہے کہ وہ انسانوں کے دین، مذہب، جان، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کرے۔ (ص:۴/۱۷)؎

حفظ عقل و نفس و نسل و مال و دین

پنج بنیادی مقاصد ہیں یہی

یعنی ان پانچ امور کی حفاظت کے لیے شرعی احکام میں کبھی تبدیلی کی ضرورت محسوس ہو تو درج ذیل سات اصولوں کی روشنی میں تبدیلی کی جاسکتی ہے۔ وہ سات اصول یہ ہیں:

۱۔ضرورت ۲۔حاجت ۳۔عموم بلویٰ

۴۔عرف ۵۔تعامل ۶۔دینی مصلحت

۷۔فساد کا ازالہ۔

فقہ اسلام کے یہ وہ مسلم اصول ہیں جو ہر دور میں اسلامی احکام میں لچک اور وسعت پیدا کرتے رہتے ہیں۔ اب اگر کوئی عالم دین مقاصد شرعی کی حفاظت کے لیے مذکورہ سات شرعی اصولوں کی روشنی میں احکام میں تبدیلی کی بات کرتا ہے یا ضرورت کے تحت بعض کمی عہد کے احکام پر عمل کرنے کی بات کرتا ہے تو اسے یکسر مسترد کر دینا مناسب نہیں، بلکہ مذکورہ اصولوں کی بنیاد پر ضرورت کے وقت احکام میں ترمیم و تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

آج مسلم و غیر مسلم ممالک اور ان کے باشندے اقوام متحدہ میں ایک معاہدے کے تحت ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ وہ کسی بھی مذہب کی تبلیغ و اشاعت سے کسی کو روک نہیں سکتے۔ اسی لیے موجودہ زمانے کے بعض فقہا کی تحقیق کے مطابق آج کے کتابی یا کافر و مشرک جو اسلامی ممالک میں رہ رہے ہوں یا غیر اسلامی ممالک میں رہ رہے ہوں، انھیں حربی، ذمی یا مستامن کہنے کے بجائے معاہد کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، بالفاظ دیگر آج عام کافر و مشرک

شہریوں کے ساتھ بھی صلح حدیبیہ جیسے حالات کے پیش نظر معاملات کیے جانے کی ضرورت ہے۔یعنی ان کے ساتھ جنگ وجدال نہیں کیا جائے گا بلکہ انھیں ہر کسی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا جائے گا۔نیز ان تک اسلام کا عقیدۂ توحید اخلاق حسنہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ پہنچایا جائے گا۔

اس کے ساتھ یہ بھی یاد رہے کہ یہ حالات پوری دنیا میں یکساں نہیں ہیں بلکہ بعض جگہ مکی دور کے حالات بھی ہیں کیونکہ بعض ممالک ایسے ہیں جہاں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی اجازت نہیں ہے اور بعض ممالک ایسے ہیں جہاں کاغذی طور پر اجازت تو ہے لیکن اگر دعوت کا کام عام ہو،اور ایک بڑی تعداد اس دعوت کی بنا پر ایمان لے آئے تو اُن نومسلموں کا جینا دوبھر ہو جائے گا اور احکام اسلام کو قائم کرنا تو دور کی بات ہے اظہار اسلام ہی ان کی موت کا سامان بن جائے گا۔

ان حالات میں ایک اہم سوال یہ اٹھتا ہے کہ مکی دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح لوگوں کے درمیان دعوت وتبلیغ کی اور جو احکام نومسلموں پہ نافذ کیے وہ آج حاجت پڑنے پر اپنائے جائیں یا نہیں؟ فقہائے اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس پہلو پر غور وفکر سے کام لیں۔بصورت دیگر موجودہ عہد میں اسلام کا تصور کاغذ پہ تو غالب ہوسکتا ہے لیکن کم سے کم زمینی سطح پر غلبۂ اسلام ایک خواب ہی کہا جائے گا۔

مثال کے طور پر ابتدائی دور میں مسلمانوں کو صرف اپنی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا پھر جب اسلام کا غلبہ ہوا تو اشاعت اسلام کے لیے جان کی بازی لگا دینے کا حکم ہوا،اسی طرح اب اگر حالات پہلے کی طرح ہو جائیں تو انھیں اپنی اور اپنے ایمان کی حفاظت کا حکم دیا جائے گا۔علامہ محمد بہادر بن عبداللہ زرکشی اپنی کتاب 'البرہان فی علوم القرآن' میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ . (مائدہ:۱۰۵)

اے ایمان والو! خود کو بچاؤ، جو گمراہ ہے وہ تمہارا کچھ بھی نقصان نہ پہنچا پائے گا جب کہ تم صراط مستقیم پر قائم رہو۔

یہ حکم ابتدائی دور میں تھا مگر جب مسلمان طاقت میں آ گئے تو ان پر امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اسلام کی راہ میں آنے والی ہر رکاوٹ کو دور کرنے کا حکم دیا گیا، اب اگر مسلمان کمزور ہو جائیں اور ایک زمانہ ایسا آئے گا جب وہ کمزور ہو جائیں گے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے کہ:

بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا، وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ غَرِيبًا

(صحیح مسلم، کتاب الایمان)

ترجمہ: بے سروسامانی کے عالم میں اسلام ظاہر ہوا اور ایک دن ایسا آئے گا کہ اسلام پھر اسی حالت میں پہنچ جائے گا۔

چنانچہ ایسی حالت میں پہلے والا حکم بھی لوٹ آئے گا کہ صرف اپنی جان اور دین کو بچانے کا حکم ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فَإِذَا رَأَيْتَ هَوًى مُتَّبَعًا، وَ شُحًّا

مُطَاعًا، وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِی رَأْیٍ بِرَأْیِہٖ فَعَلَیْکَ بِخَاصَّۃ نَفْسِکَ. (ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب الامر والنہی)

ترجمہ: جب تم کسی نفس پرست کو پیشوا، لالچی کو امیر اور ہر شخص کو اپنی ہی رائے پسند کرنے والا پاؤ تو تم ایسی صورت میں صرف اپنی فکر میں لگ جاؤ۔ (برہان، جلد۲، ص:۴۲)

اب مکی دور کے ابتدائی زمانے کو سامنے رکھیں اور آج کے منظر نامے کو دیکھیں تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ ہم کسی بھی طرح اس حالت میں نہیں ہیں کہ اعلانیہ طور پر اسلامی قانون کا نفاذ، یا اس کی تبلیغ کر سکیں، اس لیے اگر کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے اور اعلان اسلام کی طاقت نہیں رکھتا تو کیا اس پر اعلان اسلام کے لیے جبر کرنا بہتر ہے؟

اسی طرح کوئی نومسلم/نومسلمہ کسی مجبوری کی وجہ سے اپنے غیر مسلم ہم سفر (میاں بیوی) کو چھوڑنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو کیا اس کو اسلام سے محروم رکھنا عقل مندی ہے؟ کیا ایسی حکمت عملی نہیں اپنائی جانی چاہیے جس سے ان کی اولاد اور گھر والوں کا بھی میلان اسلام کی طرف ہو جائے۔

میرے خیال میں ایسی تمام صورتوں میں مسلمانوں خاص کر علما اور مشائخ کو چاہیے کہ کسی بھی طرح کا کوئی شرعی حکم لگانے سے پہلے اس کے ہر نفع اور نقصان کے بارے میں غور کر لیں تاکہ نہ اسلام کا چہرہ مسخ ہو اور نہ اسلام کے وسیع تر دعوتی عمل میں کوئی رکاوٹ آئے۔

☆☆☆

داعی اسلام شیخ ابوسعید شاہ احسان اللہ محمدی صفوی ادام اللہ ظلہ علینا

کی قلبی واردات، گنجینہ معانی، بحر حقائق و معارف، مثنوی

نغمات الاسرار فی مقامات الابرار

کا تیسرا ایڈیشن اپنے نئے رنگ و آہنگ اور ضروری توضیحی حواشی کے ساتھ منظر عام پر آ چکا ہے۔

رابطہ کریں:

شاہ صفی اکیڈمی

خانقاہ عارفیہ، سید سراواں، کوشامبی (الہ آباد) 212213 (یوپی)

Mobile: 08081898965

ضیاء الرحمن علیمی

دعوت کے سری عہد کا پیغام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ. (انفال:۲۶)

ترجمہ:اور اس وقت کو یادکرو جب تم روئے زمین پرتھوڑی تعداد میں ناتوانی اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے اور تمھیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں کفارتم کو اچک نہ لے جائیں۔پھر اللہ نے تم کوٹھکانہ عطا کیا اور اپنی مدد کے ذریعے تمہاری تائید کی اورتم کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر کرو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی تحریک کے ان ادوار کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن سے گزر کر یہ تحریک اپنے کمال کو پہنچی ۔ان میں سے ایک خفیہ دعوت کا عہد ہے۔اس عہد میں جو لوگ ایمان لائے انھیں سابقین اولین کے نام سے جانا جاتا ہے۔

جاں نثاروں کی اس محمدی جماعت میں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد شامل تھے۔اس جماعت میں جہاں یتیم ومسکین حضرات تھے وہیں امرا اور صنعت پیشہ افراد بھی تھے۔جہاں معاشرے کے پسماندہ لوگ تھے وہیں محنت کش اور مزدور پیشہ افراد بھی،جہاں ستم رسیدہ غلام تھے وہیں ہمت وحوصلہ سے لبریز استقلالی قوت رکھنے والی خواتین بھی تھیں۔حضرت ابوبکر صدیق ،عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت عثمان جیسے لوگ کاروبار اور تجارت والے تھے تو بلال، صہیب، عمار اور یاسر جیسے لوگ مظلوم طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔یوں ہی حضرت جعفر ،سعید بن زید اور ابوعبیدہ بن الجراح جیسے لوگ درمیانی طبقے کے نمائندے تھے تو حضرت خدیجہ،حضرت اسما اور حضرت ام جمیل جیسی شخصیتیں خواتین کی نمائندہ تھیں۔

غرض یہ کہ اس محمدی جماعت میں معاشرے کے ہر گروہ کے افراد جمع تھے۔یہ اس بات کی واضح دلیل تھی کہ تحریک سماج کے ہر طبقے کے دینی ودنیاوی مفادات کی محافظ ہے۔

سری دعوت کا تربیتی مرکز

دعوت وتبلیغ کے سری عہد میں مومنین کی یہ جماعت قریبی گھاٹیوں میں جا کر اپنے مالک حقیقی کی عبادت کیا کرتی ۔ روز بروز مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا،بعد میں مرکزیت کے قیام کے لیے فوراً کسی جگہ کی ضرورت محسوس ہوئی جہاں مسلمان اپنے رب کی عبادت کرسکیں، دینی وتحریکی سرگرمیوں کے تعلق سے منصوبہ بندی کرسکیں اور اس کام کے لیے گھاٹیوں کی طرف جانے کی ضرورت نہ رہ جائے۔اس مقصد کے لیے حضرت ارقم رضی اللہ عنہ جو آپ کے وفا شعار صحابی تھے ان کے گھر کا انتخاب ہوا اور پھر وہاں سے دینی، فکری اور تحریکی تربیت کا سلسلہ چلتا رہا،اس طرح دارارقم کو محمدی انقلاب کا پہلا تربیتی مرکز بننے کا شرف حاصل ہوا۔

(الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ،ج:۱،ص:۲۸،داراحیاء التراث العربی،بیروت)

سری دعوت اور زیر زمین انقلاب کی تیاری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ عہد مستقبل میں حاصل ہونے والے نتائج کے لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس دور میں خفیہ طور پر انفرادی دعوت وتبلیغ پر محنت کی گئی۔ وقفے وقفے سے خوش نصیب روحیں اسلام قبول کرتی رہیں اور مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگرانی روحانی تربیت اور صدق وصفا کے منازل طے کرنے کا سلسلہ چلتا رہا۔ پورے جوش وجذبے اور کمال ہوشیاری کے ساتھ یہ تحریک پیش قدمی کرتی رہی۔ ایمان لانے والوں کی تعداد میں اگرچہ سست رفتاری رہی لیکن جو لوگ بھی ایمان لائے وہ یقین سے لبریز اور اپنے نبی ومرشد کی تحریک کے لیے جان تک قربان کرنے کا حوصلہ رکھنے والے تھے۔

یہ عہد زیر زمین افراد سازی اور روحانی تربیت کا عہد تھا اس عہد میں آپ نے اعلانیہ تبلیغ سے گریز کیا اور کسی سے ٹکراؤ کو پسند نہیں فرمایا۔ اس عہد میں کسی بھی متعین شخص کے بارے میں یہ بات مجمع عام میں نہیں کہی گئی کہ فلاں شخص ایمانی سفر میں میرا شریک ہے۔ اس کی حکمت یہ تھی کہ آپ قبل از وقت ٹکراؤ سے بچنا چاہتے تھے، کیونکہ ایسی صورت میں افرادی قوت کا نقصان ہوسکتا تھا۔ آپ کی اسی بالغ حکمتی اور نبوی بصیرت کا کمال تھا کہ سرفروشوں اور جاں نثاروں کی ایک ایسی جماعت تیار ہوگئی جن کے سامنے باطل قوتیں اپنے تمام تر سازوسامان کے باوجود ناکام ونامراد رہیں۔

کیا سری ایمان مقبول ہے؟

جب بھی ہم سری عہد دعوت کا مطالعہ کرتے ہیں اور ان مومنین کے بارے میں پڑھتے ہیں جنھوں نے اپنے ایمان کا اظہار کیے بغیر دعوتی سرگرمیوں کو جاری رکھا تو یہ سوال ذہن میں اٹھتا ہے کہ کیا مومن ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ جس عقیدے کی قلب سے تصدیق کی گئی ہے سب کے سامنے اس کی شہادت بھی دی جائے اور اگر کوئی شخص جس داعی کے ہاتھ پر ایمان لایا ہے صرف اس کے اور اس کے اصحاب کے سامنے توحید ورسالت کی گواہی دے اور عام لوگوں میں اپنے ایمان کا اعلان نہ کرے تو وہ مومن ہوگا یا نہیں؟ یا اگر کبھی ایسی صورت حال پیدا ہوجائے کہ وہاں مقاصد شریعت؛ عقل، نفس، نسل، مال اور دین میں سے کسی ایک کی حفاظت کی خاطر مجبوراً زبان پر کلمۂ کفر لے آئے تو اس کی شریعت میں اجازت ہوگی یا نہیں؟

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ ایمان دل سے تصدیق اور زبان سے شہادت دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ جب کہ دوسری روایت یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ البتہ احکام جاری کیے جانے کے لیے اقرار شرط ہے۔ اس قول کو شیخ قاسم بن قطلو بغا حنفی (متوفی:۸۷۸ھ) نے امام ابوحنیفہ کی کتاب ''العالم والمتعلم'' کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور اسی قول کو شیخ ابومنصور ماتریدی، حسین بن فضل بلخی اور محققین احناف نے اختیار کیا ہے۔ (حاشیۃ المسامرۃ، خاتمہ فی بحث الایمان، المطبعۃ الکبری الامیریہ، بولاق، مصر، ۱۳۱۲ھ)

ملا علی قاری نے بھی ''شرح فقہ اکبر'' میں یہی موقف اختیار کیا ہے اور اسی کو جمہور محققین کی طرف منسوب کیا ہے۔

مذہب مختار میں امام اشعری کا بھی یہی موقف ہے۔

(شرح الفقہ الاکبر:ص:۲۵۲ تا ۲۵۳، دارالبشائر الاسلامیہ)

یوں ہی مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر بولنے کے سلسلے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ. (نحل:۱۰۶)

ترجمہ: جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کرے سوائے اس شخص کے جو انتہائی مجبوری کی حالت میں کلمۂ کفر بولے جب کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔لیکن جس کا قلب کفر پر راضی ہوجائے اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غضب ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔

یہ آیت حضرت عمار بن یاسر کے حق میں نازل ہوئی، مروی ہے کہ حضرت عمار نے ایک مرتبہ کفار کے مجبور کرنے پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زبان سے گالی دی اور معبودان باطلہ کو خیر کے ساتھ یاد کیا پھر حضرت عمار نے خود ہی اللہ کے رسول صلی اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر اس بات کو بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تمہارے قلب کا کیا حال ہے؟ انھوں نے جواب دیا دل تو ایمان پر جما ہوا ہے۔تب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إِنْ عَادُوا، فَعُدْ. (سنن بیہقی، باب المکرہ علی الرد)

ترجمہ: اگر کفار کلمۂ کفر بولنے پر مجبور کریں تو پھر بول دینا۔

اگر کوئی قلب سے توحید و رسالت کی تصدیق کرے لیکن کسی شرعی مصلحت کی وجہ سے اپنے ایمان کا اظہار نہ کرے تو وہ بھی مومن ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم میں ایسے شخص کو بھی مومن کہا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ. (غافر:۲۸)

ترجمہ: اور آل فرعون کے ایک مومن نے کہا جو اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا۔

اس کے علاوہ بہت سی دوسری آیات اور احادیث سے اسی بات کا اشارہ ملتا ہے کہ ایمان حقیقت میں تصدیق قلبی کا نام ہے۔ البتہ زبان سے اقرار اسلامی احکام کے نفاذ کے لیے ضروری ہے۔

عصر حاضر میں سری دعوت کی معنویت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (حشر:۷)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو تم کو عطا کریں وہ لے لو اور جس سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (احزاب:۲۱)

ترجمہ: یقیناً اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خاصۂ نبوت کے علاوہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو قیامت تک مومنین کے لیے نمونۂ عمل ہے اور دعوت کے مختلف مراحل میں مختلف حالات کے لحاظ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو موقف اختیار کیا اور جو حکم نافذ کیا اس طرح کی صورت حال دوبارہ پیش آنے کی صورت میں آپ کا ہر حقیقی نائب اس خاص صورت حال میں وہی موقف اختیار کرے گا اور وہی حکم نافذ کرے گا، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ وحی الٰہی کی رہنمائی میں

غلبۂ دین کے لیے جدوجہد کریں اور ایسا ہی ہوا بھی کہ آپ نے مختلف دعوتی مراحل سے گزرتے ہوئے ۲۳؍سال میں اللہ کے دین کو بام عروج تک پہنچادیا لیکن یہ صورت حال ہمیشہ نہیں رہی، عین منہاج نبوت پر حضرت امام حسن مجتبیٰ تک خلافت کا سلسلہ چلا پھر ملوکیت آ گئی ،اگرچہ ظاہری طور پر اسلامی حکومتیں قائم رہیں لیکن دین مغلوبیت کی طرف بڑھتا رہا۔ ہر عہد میں داعیان اسلام نے دین کے غلبے کے لیے کوششیں کیں اور جتنا ان کے ذریعے سے دین کو غلبہ حاصل ہونا تھا اتنا غلبہ حاصل ہوا۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور امام مہدی کے ظہور تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

سیرت کا کوئی عہد منسوخ نہیں

جب بھی یہ بات ہوتی ہے کہ سیرت نبوی کے تمام عہد کی معنویت اسلام کے آخری غلبے تک باقی رہے گی اس وقت یہ بات آتی ہے کہ مکی زمانے میں جو احکام نازل ہوئے ان میں سے بہت سے احکام کی جگہ مدنی عہد میں دوسرے احکام نے لے لی اور جب مکی عہد کی وہ آیتیں قابل عمل نہیں رہیں تو پھر اس عہد کی سیرت کیسے قابل عمل ہوگی۔اس لیے آیت کے منسوخ ہونے کا مفہوم اور اس کی حیثیت کو جاننے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں دو جماعتیں ہیں:

ایک جماعت نسخ کی قائل ہے جب کہ دوسری جماعت نسخ کی قائل نہیں۔پہلی جماعت کی دلیل قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ آیَةٍ أَوۡ نُنۡسِهَا نَأۡتِ بِخَیۡرٍ مِنۡهَا أَوۡ مِثۡلِهَا. (بقرہ:۱۰۶)

ترجمہ: ہم کسی بھی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا اس کو بھلاتے ہیں تو اس سے بہتر یا اسی طرح کی آیت لاتے ہیں۔

دوسری جماعت کی دلیل قرآن کریم کی وہ آیت ہے جس میں اللہ کا ارشاد ہے:مَا یُبَدَّلُ الۡقَوۡلُ لَدَیَّ. (ق:۲۹)

ترجمہ: میرے نزدیک قول نہیں بدلتا۔

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَبۡدِیلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰهِ. (یونس:۶۴)

ترجمہ:اللہ کے کلام میں کوئی تبدیلی نہیں۔

لیکن بغور دیکھا جائے تو یہ اختلاف دراصل متقدمین اور متأخرین کی اصطلاح میں فرق ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ صحابہ اور تابعین کے کلام میں نسخ کو لغوی معنی میں استعمال کیا گیا ہے جس میں کسی نئے شرعی حکم کے ذریعے پہلے والے حکم کی مدت کے ختم ہونے کا اعلان، مجمل کی تفسیر، مطلق کی تقیید، عام کی تخصیص، زمانۂ جاہلیت کے طور طریقوں، سابقہ شریعتوں کی منسوخی اور اس کے علاوہ وہ تمام صورتیں شامل ہیں جس میں کسی چیز کو کسی چیز کے ذریعے زائل کرنے کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس معنی کے لحاظ سے قرآن کریم کی پانچ سو آیتیں منسوخ ٹھہرتی ہیں۔ جب کہ علمائے اصول کی اصطلاح کے مطابق نسخ یہ ہے کہ کسی حکم شرعی کو دوسرے حکم شرعی کے ذریعے اٹھالیا جائے۔اس مفہوم کے لحاظ سے منسوخ آیات کی تعداد شاہ ولی اللہ کی تحقیق کے مطابق صرف پانچ رہ جاتی ہے۔

(الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، عربی ترجمہ:محمد منیر دمشقی ص:۳۳ یا ۳۹، ادارۃ البحوث الاسلامیہ، بنارس)

ہم خواہ متقدمین کی اصطلاح کے مطابق نسخ کی تعریف کریں یا علمائے اصول کے مطابق، اس سے ہمارے مقصد پر کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے اور دونوں تعریفات کے لحاظ سے وہ احکام جو ابتدائے اسلام کے لحاظ سے منسوخ ہیں دوبارہ ان پر عمل کا جواز

ان لوگوں کے لیے باقی رہنا چاہیے جو ابتدائے اسلام والی حالت میں ہوں۔ جب وہ بھی اس حالت سے نکل جائیں گے ان کے لیے اس پر عمل کا جواز باقی نہیں رہے گا۔ جب قرآن کریم کی منسوخ آیات میں اتنی گنجائش ہے تو پھر سیرت طیبہ میں اس بات کی گنجائش کیوں نہیں ہوگی کہ داعی اسلام سیرت رسول کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنے کے بعد کہ وہ اس وقت کس دور میں ہے اس سے مختلف فیصلے لے سکے اور احکام نافذ کر سکے۔

دین میں رسول کی سیرت کا ہر عہد شامل ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا. (مائدہ:۳)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور دین اسلام کو تمہارے لیے پسند کر لیا۔

اس آیت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ جب دین مکمل ہو گیا تو اب آخری زمانے کے جو احکام ہوں گے اور اس عہد کی جو سیرت ہوگی وہی قیامت تک کے لیے قابل عمل ہوگی لیکن غور کیا جائے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دین کا اطلاق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے تمام پہلوؤں اور آپ کی زندگی کے مختلف ادوار میں نازل ہونے والے تمام احکام پر ہوگا اور معنی یہ ہوں گے کہ یہ دین محمدی کامل صورت میں تمہارے سامنے ہے جو تم کو پچھلی تمام شریعتوں سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور انسانی زندگی کا کوئی ایسا مرحلہ نہیں جس میں رہنمائی کے لیے قرآن کی کوئی آیت یا سیرت کا کوئی پہلو موجود نہ ہو۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے اسوۂ حسنہ کہہ کر واضح فرمایا ہے اور اگر ایسا نہ مانا جائے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف مدنی زندگی ہی اسوہ ہوگی اور مکی زندگی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ جب کہ آیت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ آپ کی پوری زندگی قیامت تک مومنین کے لیے بہترین اور کامل نمونہ ہو۔

سری دعوت آخری غلبے تک ہوتی رہے گی

اسی ضمن میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ. (سنن ترمذی، باب الہجرۃ) (فتح مکہ کے بعد کوئی ہجرت نہیں) سے بھی شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اب مکہ فتح ہو چکا، اسلام غالب آ گیا اور اب قیامت تک کبھی بھی ہجرت کی اجازت نہیں ہوگی۔ اب جب ہجرت کی اجازت نہیں رہ گئی تو اس سے پہلے کے ادوار کیسے قابل عمل ہوں گے؟ یہاں واقعہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لاَ تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة.

(سنن بیہقی صغری، باب السیرۃ)

ترجمہ: جب تک توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوگا اس وقت تک ہجرت جاری رہے گی۔

یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر مکی زندگی کا عہد لوٹے گا نہیں تو پھر ہجرت کی ضرورت ہی کیوں ہوگی؟ گویا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں اشارہ ہے کہ مکی عہد آخری غلبے تک لوٹتا رہے گا اور قیامت تک جب جب وہ عہد لوٹے گا ہجرت اور اس سے پہلے کی دعوتی زندگی کی ضرورت پڑتی رہے گی اور پہلی والی حدیث میں جو ہجرت کے منسوخ

ہونے کی بات کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت فتح مکہ کے بعد اسلام کے غالب ہونے کی وجہ سے اب نقل مکانی کی تکلیفیں برداشت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسول کی بعثت کا مقصد ہی یہی تھا کہ دین غالب ہوجائے اور دین کو ایک دن میں غلبہ حاصل نہیں ہوا بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوتی جہاد کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ان سارے مراحل میں ایکشن پلان اس زمانے کی صورت حال کے لحاظ سے تیار کیا گیا اور آپ جتنے بھی مرحلے سے گزرے ان تمام میں آپ بہتر سے بہتر کی طرف گامزن اور غلبۂ دین کی طرف پیش قدمی کرتے نظر آئے۔اب اسلام کو آخری غلبہ قرب قیامت میں امام مہدی کی امامت وقیادت میں حاصل ہوگا، جن کی پشت پناہی حضرت عیسی علیہ السلام کر رہے ہوں گے۔لہٰذا جب تک آخری غلبے کا زمانہ نہیں آجاتا تب تک داعیان اسلام سیرت رسول کے مختلف دور کو سامنے رکھتے ہوئے کبھی سری دعوت کریں گے تو کبھی ہجرت ،کبھی صلح ومعاہدہ کریں گے تو کبھی جہاد وقتال۔سری دعوت ہو یا ہجرت، صلح ومعاہدہ ہو یا قتال یہ سب غلبۂ دین کے لیے جہاد کی مختلف صورتیں ہیں اور ہر عہد میں اس زمانے کی صورت حال کو سامنے رکھ کر ان کو انجام دیا جائے گا۔

دعوت فکر

عصر حاضر میں اگرچہ حکومتیں سیکولر ہیں اور قانونی لحاظ سے دین کی تبلیغ اور نومسلمین کے لیے دین کے اعلان واظہار کی مکمل آزادی ہے لیکن زمینی حقائق اس کے برخلاف ہیں۔ کیونکہ جو حکومتی عملہ ہے وہ کسی نہ کسی مذہب سے ضرور تعلق رکھتا ہے اور کہیں نہ کہیں اپنے مذہب کے لیے متعصب بھی ہے۔ ایسی صورت میں اگر کوئی اعلانیہ تبلیغ ودعوت کا کام کرے گا تو یا تو اس داعی اور اس کی تحریک کو ہی درگور کردیا جائے گا یا پھر ایمان لانے والوں کو بدترین مشقتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس کے خطرات بہت زیادہ ہیں، اب اگر کوئی قوی ایمان والا ہوگا تو اپنے دین پر باقی رہے گا ورنہ مرتد ہوکر واپس اپنے پرانے دین کی طرف پلٹ جائے گا اور اس طرح وہ پھر سے ہمیشہ کے لیے جہنم کا مستحق ہوجائے گا۔یوں ہی بہت سے وہ لوگ جو ایمان لانے کے خواہش مند ہوں گے ان کو اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے یا تو سخت ترین سزائیں جھیلنے کے لیے تیار ہونا ہوگا یا پھر ہمیشہ کے لیے جہنم کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی اس خواہش سے ہی دست بردار ہونا ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اعلی درجے کی ایمانی قوت موجود ہونے کے باوجود خود صرف سیاسی، معاشی اور عددی لحاظ سے کمزور ہونے کی بنیاد پر بھی سری دعوت کی اور مومنین کو بھی ایمان پوشیدہ رکھنے کے لیے کہا۔آج جب کہ مومنین ایمانی، سیاسی اور معاشی ہر لحاظ سے کمزور ہیں تو کیا عالمی تناظر کے پیش نظر داعیان اسلام کو اس بات کی اجازت نہیں ہوگی کہ وہ سیرت کے سری عہد دعوت سے روشنی حاصل کرتے ہوئے خفیہ دعوت کا کام انجام دیں، افرادی قوت کو بڑھائیں، ہزاروں نئے مومنین کے ساتھ خود بھی اپنی جان، اپنے دین اور دعوت کی حفاظت کریں۔ بہت سے ضعیف الایمان لوگوں کو کفر کی طرف پلٹنے سے بچائیں اور ہزاروں ایمان کے خواہش مند تو اس اور بے سروسامان افراد کو کفر کے دلدل سے نکال کر ایمان کی پرنور وادی میں لے آئیں۔

☆☆☆

ساجد سعیدی

مکی زندگی قرآن میں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو سمجھنے کا اہم ترین ذریعہ قرآن مقدس ہے۔ ذیل میں آپ کی زندگی کے مختلف گوشوں اور دعوتی سرگرمیوں پر روشنی ڈالنے والی آیات کو پیش کیا جا رہا ہے جن سے سیرت طیبہ کی ایک واضح تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے۔

اعلان نبوت سے پہلے آپ کا طریقہ یہ تھا کہ آبادی سے دور نکل جاتے اور وہاں کئی کئی دنوں تک عبادت میں مصروف رہتے۔ ایک دن اسی طرح آبادی سے دور عبادت و ریاضت میں منہمک تھے کہ حضرت جبریل علیہ الصلاۃ والسلام وحی لے کر حاضر ہوئے اور اللہ کا پیغام سنایا:

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ. (علق:۱)

اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے آپ کو پیدا کیا۔

بعد میں حکم ہوا کہ جو دین آپ کو ملا ہے اسے دوسروں تک بھی پہنچایئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یَا أَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ، وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. (مدثر:۱تا۳)

ترجمہ: اے چادر اوڑھنے والے! اٹھیں اور ڈر سنائیں اور اپنے رب کی بڑائی بیان فرمائیں۔

چنانچہ آپ نے اپنے اہل خانہ اور فرداً فرداً کچھ قریبی لوگوں کو اسلام سے آگاہ کیا، ان میں کچھ لوگوں نے کوئی جواب نہیں دیا تو کچھ لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔ تین سال تک خفیہ تبلیغ کا کام انجام پاتا رہا اس کے بعد کھلے طور پر دعوت کا حکم ہوا: وَ أَنْذِرْ عَشِیرَتَکَ الْأَقْرَبِینَ (شعرا:۲۱۴)

ترجمہ: اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو (ہمارے عذاب سے) ڈرایئے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصوصی مجلسیں رکھیں۔ ایک بنو ہاشم کے ساتھ اور ایک بنو مطلب کے ساتھ اور ان کے سامنے دین اسلام کو پیش کیا مگر ان میں حضرت علی اور جناب ابو طالب کے سوا کسی نے اچھا جواب نہیں دیا۔ حضرت علی تو ایمان لے آئے مگر جناب ابو طالب نے ہر ممکن مدد کا وعدہ کیا۔

جب اہل مکہ کے سامنے توحید، رسالت اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی بات کہی تو یہ سن کر اہل مکہ بوکھلا اٹھے اور آپ سے بدگمان ہو کر چلے گئے۔ اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہوا کہ:

فَاصدَعْ بِمَا تُؤمَرُ وَ أَعرِضْ عَنِ الْمُشرِکین (حجر:۹۴)

ترجمہ: آپ وہ باتیں اعلانیہ طور پر کہہ ڈالیں جن کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور آپ مشرکین سے منھ پھیر لیں۔

پھر جہاں کہیں موقع ملتا آپ اللہ کا پیغام سناتے اور ایک اللہ کی دعوت دیتے۔ اب حال یہ ہو گیا تھا کہ اپنا کچھ خیال نہ ہوتا بس ایک اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے کی ہر ممکن کوشش کرنے میں لگے رہتے۔ جب کفار مکہ نے دعوت کی راہ میں آپ کا انہماک دیکھا تو دیوانہ اور مجنون کہنے لگے۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِی نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ. (حجر:٦)

ترجمہ: ان کافروں نے کہا اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا! تو یقیناً پاگل ہے۔

اس کی تردید میں اللہ نے یہ فرمایا:

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ. (قلم:۲)

یعنی آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔

جو کوئی ایک بار آپ کی بات کو سن لیتا وہ گرویدہ ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ یہ دیکھ کر اہل مکہ آپ کو جادوگر بھی کہنے لگے:

وَقَالَ الْكَافِرُونَ هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّاب. (ص:۴)

ترجمہ: اور کافر کہتے ہیں کہ یہ جادوگر ہے اور جھوٹا ہے۔

کبھی وہ آپ کو غضب اور انتقامانہ نگاہوں سے بھی دیکھتے تھے: وَ اِن يَكَادُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزلِقُونَكَ بِأَبصَارِهِم لَمَّا سَمِعُوا الذِّكرَ. (قلم:۵۱)

ترجمہ: اور جب کفار اس قرآن کو سنتے ہیں تو آپ کو ایسی نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ گویا آپ کے قدم اکھاڑ دیں گے۔

اور کبھی کفار و مشرکین کو اس بات پر تعجب ہوتا کہ آپ نبی کیسے ہوگئے: وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ. (ص:۴)

ترجمہ: اور انھیں حیرت ہے کہ خود ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا۔

جب کفار و مشرکین ہر طرح سے عاجز آگئے تو انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو نشانہ بنانا شروع کر دیا:

مَا لِهٰذَا الرَّسُول يَأكُلُ الطَّعَام وَ يَمشِي فِي الأَسوَاق. (فرقان:۷)

ترجمہ: یہ کیسے رسول ہو سکتے ہیں جو کھاتے پیتے ہیں اور بازاروں میں پھرتے ہیں؟

کفار و مشرکین کی مذکورہ تمام دل آزار باتوں سے آپ کو بڑی تکلیف پہنچتی، چنانچہ اللہ کی جانب سے کبھی تسلی بھری آیتیں نازل ہوتیں اور کبھی صبر و تحمل کا حکم دیا جاتا، جیسے:

۱۔ فَاصْبِرْ عَلَى مَا يَقُولُونَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ. (ق:۳۹)

ترجمہ: لوگ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کیجئے اور اپنے رب کی پاکی بیان کیجئے۔

۲۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا. (طور:۴۸)

اور اپنے رب کے حکم پر صبر کریں کیونکہ آپ ہماری نگاہوں میں ہیں۔

۳۔ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ. (فاطر:۴)

ترجمہ: اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے کتنے ہی رسول جھٹلائے گئے اور تمام امور اللہ کی طرف لوٹ جائیں گے۔

اور کبھی کفار کی تکلیف دہ باتوں پر سخت پکڑ بھی کی جاتی تھی، مثلاً کوہ صفا پر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اہل مکہ کو دعوت دی تو یہ سن کر ابولہب نے آپ کے ہلاک ہونے کی بات کہہ دی کہ: تَبًّا لَّكَ. تمہارے لیے ہلاکت ہو۔ (معاذاللہ)

رب کو جلال آیا اور اس کی ہلاکت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا: تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ. (مسد:۱)

ترجمہ: ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ

ہلاک ہو ہی گیا۔

جب نبی دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہزادگان ایک ایک کر کے شیر خواری کے عالم میں ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔اس وقت عاص بن وائل سہمی نے طنزاً کہا تھا کہ ان کی نسل منقطع ہو گئی اور یہ ابتر (بے اصل) ہیں تو جواباً یہ سورۃ نازل ہوئی کہ: إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ. فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَر. (کوثر:۳)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا۔اپنے رب کے لیے نماز قائم کریں اور قربانی دیں۔بے شک آپ کا دشمن ہی بے اصل ہے۔

ولید بن مغیرہ مخزومی نے جب آپ کو مجنوں کہا تو اللہ رب العزت نے اس کے عیبوں کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

وَلا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ، هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ، مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيم، عُتُلٍّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ. (قلم:۱۳)

ترجمہ: تم کسی ذلیل کی بات نہ مانو جو لعن وطعن کرتا ہے۔ چغلیاں کھاتا ہے، بھلائی سے روکتا ہے، حد درجہ ظالم ہے، بدعمل اور جفا کار ہے اور اس کے بعد بے اصل نطفہ کا بھی ہے۔

اس طرح کبھی کفار ومشرکین کی باتوں سے آپ غمگین ہوتے تو فوراً کوئی ایسی آیت نازل ہو جاتی جس سے آپ کو سکون مل جاتا۔اسی طرح اہل طائف نے آپ کی دعوت ٹھکرا دی جس سے آپ کو بہت صدمہ پہنچا تو اللہ نے تسکین کی خاطر جنات کی ایک جماعت بھیجی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پر اسلام قبول کیا،قرآن کریم میں ہے:

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا، يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا. (جن:۱تا۲)

ترجمہ: آپ کہہ دیں میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن سنا اور باہم کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے،ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو ہرگز شریک نہیں کر سکتے۔

اسی طرح غم کو دور کرنے کے لیے معراج کرائی گئی اور عجائبات کا مشاہدہ کرایا گیا جس کا ذکر قرآن میں یوں ہوا:

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرٰى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى. (اسرائیل:۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے خاص بندے کو رات کے مختصر حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی۔

اس قدر مصیبتوں کے باوجود آپ کفار ومشرکین کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے پریشان رہتے،چنانچہ ان باتوں کی پرواہ نہ دینے کا حکم دیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَى آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا. (کہف،۶:۱۸)

اے حبیب مکرم! تو کیا آپ ان کے پیچھے شدت غم میں اپنی جان گھلا دیں گے اگر وہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن کریم کی ان آیات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی نمایاں ہوتی ہے جو صبر وتحمل اور استقامت کی اعلیٰ مثال ہے تو دعوتی اعتبار سے ہر مسلمان کے لیے قابل بھی ہے۔

☆☆☆

محمدمدثر رضا مصباحی

مکی زندگی اور حقوق العباد

اہل مکہ کے یہاں ظلم وتشدد، فسق وفجور، حق تلفی، بڑوں کی تعظیم نہ کرنا، چھوٹوں کے ساتھ شفقت ومحبت سے پیش نہ آنا، والدین اور ازدواجی حقوق نہ ادا کرنا عام بات تھی۔ ایسے ماحول میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اور کس طرح انسانی حقوق ادا کیے، بالخصوص اہل وعیال اور پڑوسیوں کے ساتھ آپ کا سلوک کیسا رہا، اس کا اندازہ نیچے دیے گئے احادیث اور واقعات سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ جس طرح بڑوں کے حقوق میں ان کی عزت وتوقیر شامل ہے اسی طرح ان سے صلاح ومشورہ کرنا اور انھیں آرام پہنچانا بھی ان کے حقوق میں شامل ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے بہت سارے امور، مثلاً تجارت اور حضرت خدیجہ سے شادی کے سلسلے میں اپنے چچا ابوطالب سے مشورہ طلب فرمایا ہے وہیں ان کی معاشی مدد کرنے کی غرض سے اجرت کے بدلے عربوں کی بکریاں بھی چرائی ہیں۔ (کیونکہ کثیرالاولاد ہونے کی وجہ سے ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الغَنَمَ، فَقَالَ أَصْحَابُهُ، وَأَنْتَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ. (بخاری، باب رعی الغنم)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جن کو بھی نبی بنا کر مبعوث فرمایا انھوں نے بکریاں چرائیں۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے بھی بکریاں چرائی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، میں نے بھی قراریط (دینار کے چھٹے حصے کی چوتھائی) کے عوض اہل مکہ کی بکریاں چرائی ہیں۔

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں بچہ تھا ایک دن ایک خاتون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے ان کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ وہ خاتون اس پر بیٹھ گئیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: یہ خاتون کون ہیں؟ تو جواب ملا:

هَذِهِ أُمُّهُ الَّتِي أَرْضَعَتْهُ. (سنن ابی داؤد، برالوالدین)

ترجمہ: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں ہیں۔

بعض روایت میں یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوگئے اور ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر مبارک بچھادی۔ (یہ خاتون حلیمہ سعدیہ تھیں)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی ماں کی طرح رضاعی ماں کے حقوق بھی ہیں جن کا ادا کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح کسی دوسرے رشتہ دار یا دوست واحباب کے حقوق کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ان کی عزت اور ان سے محبت کی جائے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں اور قریبی رشتہ داروں سے محبت اوران کی تعظیم فرماتے تھے۔

۲۔اسی طرح بیوی کے حقوق ادا کرنا بھی ضروری ہے لیکن پہلے یہ جان لینا اہم ہے کہ بیوی کے حقوق کیا کیا ہیں؟ کیونکہ بہت سے لوگ بیوی کے حقوق میں صرف نان ونفقہ کو اہم سمجھتے ہیں، دیگر معاملات میں اسے شریک نہیں کرتے اور نہ ہی اس کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ اس سے صلاح ومشورہ لیا جائے یا یہ کہ اسے اپنا ہمراز بنایا جائے۔

جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریک سفر حضرت خدیجہ کو اپنا ہمراز بنایا کرتے اور سخت سے سخت حالات میں ان سے مشورہ بھی طلب فرماتے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں جب پہلی وحی آئی تو اس وقت آپ پر ایک رعب اور وحشت طاری ہوگئی۔آپ فوراً گھر آئے اور اس کا ذکر سب سے پہلے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا۔انھوں نے تسلی دیتے ہوکہا:

واللہ! آپ کو اللہ رسوا نہیں فرمائے گا کیونکہ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، ناداروں کی کفالت، مہمانوں کی مہمان نوازی اور مصیبت سے متأثر لوگوں کی مدد فرماتے ہیں۔ (بخاری ج:۱،ص:۳)

۳۔ایک بار ایک پردیسی تاجر مکہ آیا۔ابوجہل نے اس سے کچھ سامان خریدا اور قیمت دینے سے انکار کردیا۔یہ خبر جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ خود ابوجہل کے گھر تشریف لے گئے اور سامان کی قیمت ادا کروائی۔

(نظرۃ جدیدۃ فی سیرۃ رسول اللہ،ص:۳۹ بحوالہ ضیاء النبی)

۴۔ایک بار گاؤں سے ایک بدو حج کے لیے مکہ مکرمہ آیا، اس کے ساتھ اس کی ایک خوبصورت بیٹی بھی تھی۔مکے کے ایک دولت مند تاجر (جس کا نام مؤرخین نے نبیہ بن حجاج لکھا ہے) نے اس کی بچی کا اغوا کرلیا جس کی وجہ سے وہ بدو بہت زیادہ پریشان تھا۔جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے کا علم ہوا تو آپ نے قریش کے جوانوں کو بلایا اور فرمایا کہ اس گندی حرکت پر ہم لوگوں کا خاموش رہنا ہرگز مناسب نہیں ہے، چنانچہ آپ کی تحریک پر قریش کے نوجوانوں نے اس تاجر کے گھر کا گھیراؤ کیا اور بچی کو عزت وآبرو کے ساتھ اس بدو کے سپرد کردیا گیا۔ (ایضاً، ضیاء النبی، ج:۱،ص:۱۲۳ تا ۱۲۴)

ان واقعات سے سمجھا جاسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے حقوق کا حد درجہ خیال فرماتے تھے، خواہ وہ شخص جاننے والا ہو یا نہیں۔

آج یہ حال ہے کہ نہ تو ماں باپ اور نہ میاں بیوی کے حقوق کی حفاظت کی جارہی ہے اور نہ ہی اپنے قریبی رشتے داروں کے حقوق کا خیال رکھا جارہا ہے۔اس کے برخلاف حق تلفی، فتنہ وفساد اور عزت وآبرو کی پامالی کی راہیں مزید کھولی جارہی ہیں۔اب ایسے پراگندہ ماحول کو ایک صالح اور صاف ستھرا ماحول میں تبدیل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر ایک کے حقوق، جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی جائے اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کیے بغیر ممکن نہیں۔

☆☆☆

محمد اصغر علی مصباحی

عادات نبوی اور صحابہ کرام کا عمل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاتَّبِعُوہُ لَعَلَّکُم تَہتَدُونَ. (اعراف:۱۵۸)

ترجمہ: تم ان کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاسکو۔

اس آیت مقدسہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کا عام حکم دیا ہے جس میں فرائض، واجبات اور مستحبات کی کوئی تخصیص نہیں، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رحمت عالم کے تمام عادات واطوار جیسے کھانے پینے، چلنے پھرنے، اوڑھنے پہننے یہاں تک کہ تبسم فرمانے کے طریقے پر بھی عمل کرنے میں پیش پیش رہے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ کسی سفر میں تھے۔ وہ ایک جگہ سے گزرے اور پھر پیچھے مڑ گئے۔ پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ انھوں نے فرمایا:

رَأیتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم فَعَلَ ھٰذا فَفَعَلتُ. (مسند احمد، عبداللہ ابن عمر)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح کرتے دیکھا تھا، اس لیے میں نے بھی ایسا کیا۔

روایت میں ہے کہ مکہ اور مدینہ شریف کے درمیان راستے میں ایک درخت تھا، جب کبھی ان کا گزر اُس درخت کے پاس سے ہوتا، اس کے نیچے قیلولہ ضرور کرتے اور یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔

غور کریں کہ 'چلتے چلتے راستے سے پلٹنا' اور 'کسی خاص درخت کے نیچے قیلولہ کرنا' کوئی سنت واجبہ یا مستحبہ نہیں ہے، لیکن صحابہ کے اندر عادات نبوی پر عمل کرنے کا جذبہ اس قدر تھا کہ وہ کسی بھی سنت کو نہیں چھوڑتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَرَأیتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم یَتَتَبَّعُ الدُّبَّآءَ مِن حَوالِی الصَحفَۃِ فَلَم اَزَل أحِبُّ الدُّبَّآءَ مِن یَومَئِذٍ. (بخاری: باب الاطعمہ)

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پلیٹ میں کدو تلاش کرتے ہوئے دیکھا تو میں بھی اس دن سے کدو پسند کرنے لگا۔

یہ درست ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم 'کدو' کھانا پسند فرماتے تھے مگر یہ ضروری نہیں کہ 'کدو' ہر صحابی کو بھی پسند ہو لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اپنی طبیعت اور خواہش کو حضور کی پسند اور ادا پر قربان کر دیا اور 'کدو' پسند فرمانے لگے اور ایک ہم ہیں کہ سنت نبوی پر عمل کرنا تو دور کی بات ہے ہر لمحہ فرمان نبوی کی خلاف ورزی کرتے رہتے ہیں۔

حضرت معاویہ بن قرہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

أتَیتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّم فَبایَعتُہُ وَ اِنَّ زِرَّ قَمِیصِہ لَمُطلَق.

قالَ: عُروَۃُ فَما رَأیتُ مُعَاوِیَۃَ وَلَا ابنَہ فِی شِتَاءٍ

وَلا صَيفٍ اِلَّا مُطلَقَةَ أَزرَارَهُمَا . (ابن ماجہ۔کتاب اللباس)

ترجمہ:(حضرت معاویہ کے والد نے کہا) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔دیکھا کہ آپ کی قمیص مبارک کا بٹن کھلا ہوا ہے۔

حضرت عروہ بیان کرتے ہیں کہ اس دن کے بعد میں نے گرمی اور جاڑا ہر موسم میں معاویہ اوران کے بیٹے کوبٹن کھلی ہوئی قمیص ہی میں دیکھا۔

ایک صحابی کا یہ ایمان افروز عمل ہمیں سبق دیتا ہے کہ ہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو اپنائیں اوران کی بتائی ہوئی باتوں پر سچے دل سے عمل کریں۔

جملہ صحابۂ کرام کا یہی حال تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کوئی عمل کرتے دیکھتے فوراًاس پرعمل کرنے کی کوشش کرتے ۔روایت ہے کہ حضرت عبید بن جریج رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا:

کیابات ہے کہ میں آپ کو زرد رنگ کا سبتی جوتا پہنے ہوئے دیکھتا ہوں،اس پرانھوں نے جواب دیا:

فَانِّی رَ أیتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلَیہِ وَسَلَّم یَلبَسُ النِّعَالَ السَبتِیۃالتی لَیسَ فِیھا شَعر وَ یَتَوَضَّأُ فِیھا فأنا أحبّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہ عَلیہ وَسَلّم یصبغُ بھا فأنا أحبُّ أن أصبغ بھا. (بخاری،ج:۲،رقم الحدیث:۵۶۲۲)

ترجمہ: میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سبتی جوتا جس میں کوئی بال نہیں تھا پہنتے اوراس میں وضوفرماتے دیکھا ہے۔مجھے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زرد رنگ کا جوتا پہننا پسند آیا اس لیے میں بھی زرد رنگ کا جوتا پسند کرتا ہوں۔

یہ اتباع رسول کا وہ بے مثل اور لا جواب نمونہ ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے حصے میں آیا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وضو کے بعد مسکرانے لگے ۔لوگوں نے اس بے موقع مسکرانے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے جواب دیا کہ ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کواس طرح وضو کے بعد مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ مسجد کے دروازے پر بیٹھ کر بکری کا پُٹھا منگوایا پھر کھا کر تازہ وضو کے بغیر نماز پڑھنے لگے۔پھر نماز کے بعد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح نماز ادا کی تھی۔

اس طرح بے شمار واقعات حدیث کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں جن سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام کی رگ رگ میں اتباع سنت کا جذبہ موجزن تھا، انھیں آپ کا ہر فعل اورآپ کی ہرادا سے خواہ اس کا تعلق عبادات سے ہو یا عادات سے بے پناہ عقیدت ومحبت تھی۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فرائض اور واجبات کے ساتھ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو اپنے اوپر لازم کرلیں، کیونکہ یہی صلاح وفلاح اور ہدایت کا سب سے اچھا ذریعہ ہے:

جان دیتے ہیں تری راہ میں مرنے والے
فرض ہے مذہب عشاق میں سنت تیری

☆☆☆

جہانگیر حسن مصباحی

سیرت طیبہ اور کمال صبر

جب کبھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور اسوۂ حسنہ کا ذکر ہوتا ہے تو عموماً ہمارے ذہن میں یہ باتیں ابھرتی ہیں کہ آپ کے کھانے پینے کا انداز کیسا تھا، آپ کے اخلاق کیسے تھے، آپ کی صبح وشام کیسی ہوتی تھی، آپ چھوٹوں پہ شفقت اور بڑوں کی عزت کا خیال کس حد تک رکھتے تھے۔ لیکن وہ پریشانیاں عام طور سے ہمارے ذہن میں نہیں آتیں جو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی گلیوں میں اٹھائیں اور نہ ان تکلیفوں کا احساس ہوتا ہے جو اعلان نبوت کے بعد آپ نے برداشت کیں۔ نہ ان دقتوں کو سمجھ پاتے ہیں جن کا سامنا آپ نے عکاظ کے بازار میں کیا اور نہ اس درد کا اندازہ کر پاتے ہیں جس سے آپ طائف کی وادیوں میں دوچار ہوئے۔

اعلان نبوت کے دسویں سال مئی ۶۱۹ء میں جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب جیسے کرم فرما چچا کی شفقت سے محروم ہو چکے تھے، غم خوار و ہمدرد بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی نہیں رہیں اور احباب واقارب نے بھی بے رخی اختیار کر لی تھی ایسے عالم میں طائف ہی ایک ایسا شہر تھا جہاں دعوت وتبلیغ کی جا سکتی تھی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ طائف کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں پہنچنے کے بعد سب سے پہلے بنوثقیف کے سرداروں ابن عبد یالیل، مسعود اور حبیب سے ملاقات کی۔ انھیں اللہ کا پیغام سنایا اور ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ لیکن امارت و دولت کے نشے میں چور تینوں نے دعوت قبول کرنے کے بجائے یہ کہہ کر مذاق اڑایا کہ:

۱۔ اللہ کو تمہارے سوا رسول بنانے کے لیے کوئی اور نہیں ملا۔

۲۔ کعبے کے پردے تارتار ہو جاتے اگر اللہ تم کو اپنا رسول بنایا ہوتا۔

۳۔ میں تم سے ہرگز بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو مجھ میں یہ طاقت کہاں کہ تم سے بات کر سکوں اور اگر تم اللہ کے رسول نہیں تو میرے لیے یہ ذلت کی بات ہے کہ جھوٹے سے بات کروں۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ کو سخت صدمہ پہنچا۔

روایت کے مطابق دس دنوں تک آپ نے طائف میں قیام فرمایا اور یکے بعد دیگرے طائف کے تمام سرداروں کو حق کی دعوت دی لیکن کسی نے دھیان نہیں دیا بلکہ جہاں جاتے یہی جواب ملتا کہ میرے شہر سے نکل جاؤ۔ طائف کے سرداروں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کچھ اوباش قسم کے لچوں اور لفنگوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا جو آپ کو گالیاں بھی دیتے اور پتھر بھی مارتے جاتے بلکہ نشانہ سادھ سادھ کر ایڑیوں اور ٹخنوں پر چوٹ کرتے تھے۔ پتھر مارنے کا یہ سلسلہ تقریباً دو میل تک جاری رہا یہاں تک کہ قدم ناز

لہولہان ہوگیا، بالآخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک باغ میں پناہ لینا پڑا۔

یہ ایسا دل خراش منظر ہے کہ آج بھی پڑھ کر اور سن کر دل دہل جاتا ہے۔ انسانی تاریخ میں ہمیں ایسا واقعہ نظر نہیں آتا کہ کسی پر اس قدر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے ہوں اور اس نے برداشت کرلیا ہو اور دعاؤں سے نوازا بھی ہو۔

ایک بار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ یوم احد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آپ پر گزرا ہے؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں!

لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ، وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ العَقَبَةِ، إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلاَلٍ، فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ، فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلٰى وَجْهِي. (بخاری، ج:۴، ص:۱۱۵)

ترجمہ: تیری قوم کی جانب سے جو تکلیفیں پہنچنی تھیں وہ تو پہنچیں ہی مگر جب میں نے ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے سامنے دعوت پیش کی تو اس نے ٹھکرا دیا، چنانچہ میں اس حال میں واپس ہوا کہ میں غموں سے نڈھال تھا۔ یہ میری زندگی کا سب سے سخت دن تھا۔

لیکن اس قدر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹنے کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی شکوہ کیا اور نہ کوئی شکایت کی، بلکہ بارگاہ الٰہی میں یہ دعا کی:

اللّٰهُمَّ إِلَيْكَ أَشْكُو ضُعْفَ قُوَّتِي وقِلَّةَ حِيلَتِي وَهَوانِي عَلَى النَّاسِ، يا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ!إلٰى مَنْ تَكِلُنِي إلى عَدُوٍّ يَتَجَهَّمُنِي أَمْ إلى قَرِيبٍ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي،إِنْ لَّمْ تَكُنْ ساخِطاً عَلَيَّ فَلا أُبَالِي غَيْرَ أَنَّ عافِيَتَكَ أَوْسَعُ لِي،أَعُوذُ بِنُورِ وَجْهِكَ الكَرِيمِ الَّذِي أضاءَتْ لَهُ السَّمواتُ والأَرْضُ وأَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُماتُ وصَلُحَ عليهِ أَمْرُ الدُّنيا والآخِرَةِ أَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ أَوْ تُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ وَلَكَ العُتْبى حَتَّى تَرْضى ولا حَوْلَ ولا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ.

(کنز العمال، ج:۲، ص:۲۰۲)

ترجمہ: یا اللہ! میں اپنی بے سروسامانی، بے بسی اور لوگوں میں اپنی رسوائی کا شکوہ تجھی سے کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین! مجھے تو کس کے سپرد کرتا ہے، اس دشمن کے، جو مجھ سے ترش روئی سے پیش آتا ہے، یا اس قریبی شخص کے پاس جس کو تو نے میرے معاملات کا مالک بنا دیا ہے؟

پھر بھی اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے ان باتوں کی کچھ فکر نہیں، کیونکہ تیری جانب سے ملنے والی عافیت میرے لیے کافی ہے۔ میں تیرے غضب اور تیری ناراضگی سے تیرے وجہ کریم کی تجلی کی پناہ چاہتا ہوں جس سے آسمان اور زمین روشن ہیں اور جس سے اندھیرا دور ہوگیا ہے اور جس سے دنیا وآخرت میں کامیابی ملنے والی ہے، جب تک تو راضی نہ ہوجائے میں اپنے آپ کو کوستا رہوں گا۔ تو ہی عظیم قوت اور طاقت والا ہے۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي، فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي، فَنَظَرْتُ فَإِذَا

فِيهَا جِبْرِيلُ، فَنَادَانِي فَقَالَ: إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ، فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ، ثُمَّ قَالَ: يَا مُحَمَّدُ، فَقَالَ، ذَلِكَ فِيمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ؟ (بخاری، باب اذا قال احدکم: آمین)

ترجمہ: جب میں قرن ثعلب میں پہنچا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کے ایک ٹکڑے نے میرے اوپر سایہ کر رکھا ہے۔ اس میں مجھے جبریل نظر آئے۔ وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی قوم کی باتیں سن لی ہیں اور اس نے پہاڑ کے فرشتوں کو بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں انھیں حکم دیں۔

پھر پہاڑ کے فرشتے نے سلام کے بعد عرض کی:

یا محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر حکم دیں تو دو پہاڑوں کے بیچ واقع طائف کو پیس کر رکھ دوں۔

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو طائف کے سرداروں سے انتقام لے سکتے تھے اور پتھروں کی چوٹ کا جواب پہاڑوں کے ذریعے دے سکتے تھے اور انھیں یہ حق بھی پہنچتا تھا کہ جن لوگوں نے آپ پر پتھر برسائے ان پر عذاب نازل ہونے کی دعا فرما دیں جیسا کہ قوم نوح طوفان میں ڈوب گئی، قوم عاد آندھیوں میں اڑ گئی، قوم ثمود کو بجلی کی گرج نے کھا لیا، قوم لوط پتھروں کی بارش میں ہلاک ہو گئی اور حضرت موسیٰ کی قوم دریا میں بہہ گئی لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کرم تھا کہ جن لوگوں نے پتھر مار مار کر قدم ناز کو لہولہان کر دیا ایسے دشمنوں کو بھی آپ نے معاف کر دیا اور فرمایا:

بَلْ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ، لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا. (بخاری، ایضاً)

ترجمہ: بلکہ میں امید کرتا ہوں ان کی پشتوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔

اب ذرا ہم اپنے اعمال کا جائزہ لیں کہ ہم اپنوں سے محبت تو خوب کرتے ہیں لیکن کیا کبھی ہم نے دین کی خاطر بھی دشمنوں سے محبت کی ہے؟ اچھی باتوں کا جواب تو ہم نے ہمیشہ اچھائی سے دیا ہے، کیا کبھی کسی کی گالیوں کا جواب بھی دعاؤں سے دیا ہے؟ کیا ہمارے اندر اتنی محبت، شفقت، مروت، حوصلہ اور صبر و قوت ہے کہ اگر ہمارے راستے میں کوئی کانٹا بچھائے تو ہم اس کی راہ میں پھول بچھائیں، اگر کوئی ہمیں مایوس کرے تو ہم اس کی امیدیں پوری کریں، اگر ہم سے کوئی تعلق توڑے تو ہم اس سے اپنا تعلق جوڑیں، اگر کوئی ہمارے اوپر ظلم کرے تو ہم اس کو معاف کر دیں اور ہمیں کوئی محروم رکھے تو ہم اسے عطا کریں؟ نہیں ہرگز نہیں!

اگر واقعی یہ تمام باتیں اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں ہر حال میں سیرت نبوی سے سبق لینا ہوگا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے اندر بھی جاں سوزی، نرمی، شفقت، رحمت اور دعوت و تبلیغ کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا۔

☆☆☆

محمدامام الدین سعیدی

ترک دنیا اور فکر آخرت سیرت کی روشنی میں

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا ہر لمحہ خوف الٰہی اور فکر آخرت سے لبریز ہے۔ آپ کی سیرت طیبہ میں نمایاں طور پر دنیا سے بے رغبتی، خوف آخرت اور امت کی نجات کی فکر موجود ہے۔

مکی عہد میں آپ کی تحریک ودعوت کا بنیادی محور توحید و آخرت تھا کیونکہ یہ ایمان کی بنیاد ہے اور اس کے بغیر ایمان کا باقی مرحلہ طے نہیں کیا جا سکتا۔

جب آخرت کا تصور یقین کی حد تک راسخ ہو جاتا ہے تب اعمال صالحہ کی طرف رغبت ہوتی ہے۔ اللہ کی ناراضگی اور گناہوں سے بچنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے، اگر یہی یقین ختم ہو جاتا ہے تو انسان بے خوف اور اپنی خواہشات کے تابع ہو کر زندگی گزارتا ہے۔ اللہ کی ناراضگی اور گناہ ومعصیت اس کے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ. (نحل:۲۲)

ترجمہ: جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے قلوب منکر ہیں (یعنی ان کے قلوب اللہ کی عظمت اور آخرت کی عظیم نعمتوں کا انکار کرنے والے ہیں اور وہ لوگ گھٹیا زندگی کی جلد مٹ جانے والی لذتوں کے فریب میں مبتلا ہیں) اور وہ اپنی بڑائی میں مگن ہیں۔

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے ہیں وہ ثواب حاصل کرنے میں ہمیشہ رغبت دکھاتے ہیں اور ہمیشہ کے عذاب سے خائف رہتے ہیں۔ لیکن جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے وہ نہ حصول ثواب میں کوئی دلچسپی لیتے ہیں اور نہ انھیں عذاب الٰہی کا کچھ خوف ہوتا ہے۔

(تفسیر رازی، ج:۱، ص:۲۷۰۸)

بلاشبہ کہ کائنات میں آپ کی ذات سے بڑھ کر کوئی اللہ سے زیادہ قریب نہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ آپ سے زیادہ اللہ کا خوف رکھنے والا بھی کوئی نہیں۔ اس شان کے مالک ہونے کے باوجود اللہ رب العزت نے اکثر مقامات پر آپ کو آخرت کی طرف توجہ دلائی ہے:

۱۔ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَى مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ، زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى. (طٰہٰ:۱۳۱)

ترجمہ: آپ ان لوگوں کی طرف اپنی نگاہ نہ کریں جن کو ہم نے دنیاوی زندگی کی کچھ نعمتیں دی ہیں، تاکہ ہم ان کو آزمائیں۔ آپ کے رب کا رزق سب سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

۲۔ فَأَعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ إِلَّا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا، ذَلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدَى. (نجم:۲۹ تا ۳۰)

ترجمہ: ایسے شخص سے اعراض کیجئے جو ہمارے ذکر سے روگرداں ہے اور دنیاوی زندگی کے علاوہ اس کا کوئی مقصد نہیں، ان کے علم کی رسائی بس یہیں تک ہے، آپ کا رب بخوبی جانتا ہے کہ

کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔

۳۔وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنَاکَ عَنْهُمْ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا. (کہف:۲۸)

ترجمہ: اے محبوب! ان کے درمیان اپنے آپ کو قابو میں رکھیں جو صبح وشام اپنے رب کو یاد کرتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہوئے، ان سے اپنی نگاہ نہ پھیریں کہ آپ دنیوی زندگی کی آرائش چاہنے لگیں۔ اس کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے، وہ اپنی خواہش کے تابع ہو گیا اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اس کے اثرات واضح طور سے ملتے ہیں۔ آپ کی سیرت خوف آخرت کی کامل تصویر پیش کرتی ہے۔ چنانچہ آپ اکثر یہ فرمایا کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْآخِرَةْ. (بخاری، کتاب الرقاق)

ترجمہ: یا اللہ! آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ''حدیث ایلا'' میں بیان کرتے ہیں کہ ایک دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر آرام فرما تھے۔ چٹائی پر کوئی بچھونا نہیں تھا اور چٹائی کا نشان آپ کے پہلو میں ظاہر ہو رہا تھا۔ آپ چمڑے کے ایک تکیہ پر جس میں بھس بھرا ہوا تھا ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ میں نے آپ کو سلام کیا پھر کمرے کا جائزہ لیا، اللہ کی قسم! اس میں چمڑے کے تین ٹکڑوں کے سوا کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو نگاہ کو متوجہ کرتی۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو کشادگی عطا فرمائے۔

ایرانیوں اور رومیوں کو تو دنیا کی خوب نعمتیں حاصل ہیں حالانکہ وہ اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سنتے ہی اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے ابن خطاب! تم بھی ایسا سوچتے ہو؟ یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی نعمتوں کا سارا حساب دنیا ہی میں چکا لیا ہے۔ (بخاری، کتاب النکاح)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پکے ہوئے بال کو دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے تو آپ نے فرمایا:

شَیَّبَتْنِیْ هُوْدٌ، وَالْوَاقِعَةُ، وَالْمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ، وَ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ. (ترمذی، سورۃ الواقعۃ)

ترجمہ: مجھے سورۂ ھود، واقعہ، مرسلات، عم یتسائلون اور اذالشمس کورت نے بوڑھا بنا دیا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے مروی ہے:

کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدَّخِرُ شَیْئًا لِغَدٍ. (سنن ترمذی، باب معیشۃ النبی)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل کے لیے کوئی چیز جمع نہیں فرمائی۔

ایک دوسری روایت ہے:

مَا لِیْ وَلِلدُّنْیَا، مَا اَنَا فِی الدُّنْیَا اِلَّا کَرَاکِبٍ اسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَکَهَا. (ایضاً)

ترجمہ: مجھے دنیا سے کیا مطلب؟ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی طرح ہے جو کسی درخت کے سایے میں تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرے پھر اسے چھوڑ کر آگے بڑھ جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

مَا تَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَلَا بَعِيرًا وَلَا أَوْصَى بِشَيْءٍ.

(مسلم، باب ترک الوصیۃ)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ درہم چھوڑا نہ دینار، نہ بکری نہ اونٹ اور نہ کسی چیز کی وصیت فرمائی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام آپ کی خدمت آئے اور عرض کی:

إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَقْرَئُكَ السَّلَامَ وَيَقُوْلُ لَكَ أَتُحِبُّ أَنْ أَجْعَلَ هٰذِهِ الْجِبَالَ ذَهَبًا وَتَكُوْنُ مَعَكَ حَيْثُمَا كُنْتَ؟ فَأَطْرَقَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ: يَاجَبْرِيْلُ إِنَّ الدُّنْيَادَارُ مَّنْ لَّادَارٌ لَهُ وَمَالُ مَّنْ لَّامَالَ لَهُ قَدْيَجْمَعُهَامَنْ لَّاعَقْلَ لَهُ فَقَالَ لَهُ جِبْرِيْلُ ثَبَّتَكَ اللّٰهُ يَامُحَمَّدُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ.

ترجمہ: اللہ آپ پر سلام بھیجتا ہے اور یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں اس پہاڑ کو آپ کے لیے سونے کا بنا دوں اور جہاں آپ چاہیں یہ پہاڑ آپ کے ساتھ رہے۔ آپ نے تھوڑی دیر کے لیے سر نیچے کیا پھر فرمایا:

اے جبرئیل! بے شک یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو اور اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو، اس کو وہ جمع کرتا ہے جس کے پاس عقل نہیں۔

پھر حضرت جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا: یا محمد! اللہ تعالیٰ آپ کو حق بات پہ ثابت رکھے۔ (شفا، ص:۱۴۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهِ لو تَعْلَمُون ما أَعلَمُ ، لضَحِكتُم قَلِيلا ولَبَكَيْتُم كَثيراً . (سنن ابن ماجہ، باب الحزن والبکاء)

ترجمہ: واللہ! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لو تو یقیناً کم ہنسو گے اور زیادہ روؤ گے۔

ان باتوں سے صاف ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور دعوت و تذکیر میں آخرت کی فکر مکمل طور سے غالب تھی اور خوف الٰہی، دنیا سے بے رغبتی اور فکر آخرت کا اس قدر غلبہ ہوتا کہ اس کا اثر جسم اقدس پر بھی بخوبی نمایاں ہوتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ آپ اللہ کی یاد سے نہ کبھی غافل ہوتے اور نہ اس کے بدلے دنیا کی کسی نفع بخش چیز کے لیے تیار ہوتے تھے۔

یہی حال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کا تھا کہ ان کی زندگی سیرت طیبہ میں ڈھلی ہوئی تھی۔ ان کے دل و دماغ میں بھی فکر آخرت، خشیت الٰہی اور دنیا سے بے رغبتی کے گہرے اثرات تھے جس کا اندازہ ان کے اعمال و کردار اور معمولات و معاملات سے کیا جا سکتا ہے۔

لیکن آج ہم دنیا سے بے رغبتی اور خشیت و فکر آخرت رکھنے کے بجائے اس سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہماری ایمانی کمزوری ہے جس کی وجہ سے ترک دنیا اور آخرت کی خشیت و فکر کے سلسلے میں ہمارا عقیدہ راسخ نہیں ہو پاتا، ورنہ قرآن مقدس اور سیرت نبوی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ جو بھی ان کے دائرے میں رہ کر اپنی زندگی گزارے گا اور دنیا کی فضولیات سے پرہیز کرے گا اس کے اندر دنیا سے بے رغبتی، صبر و قناعت اور فکر آخرت پیدا ہوگی، وہ حسن نیت، حسن عمل اور حسن اعتقاد سے متصف ہوگا اور پھر ان ہی کاموں میں دلچسپی لے گا جو اس کے لیے آخرت میں نفع بخش ہوں۔

اللہ ہم سب کو یوم آخرت کے یقین سے نوازے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔

(آمین ثم آمین)

اشتیاق عالم مصباحی

مکی زندگی میں جہاد

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ذُرْوَةُ سَنَامِ الْإِسْلَامِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ.

(مسند احمد، معاذ بن جبل)

ترجمہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا دین کا بلند درجہ ہے۔

قرآن مقدس میں ایمان کے ساتھ ساتھ جہاد کا ذکر بھی بار بار آیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۔إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللّٰهِ. (بقرہ:۲۱۸)

ترجمہ: بے شک جو ایمان لائے اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔

۲۔يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (مائدہ:۳۵)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ۔

جہاد کیا ہے؟

دشمن کے مقابلے میں اپنے قول وعمل کے ذریعے پوری کوشش اور پوری صلاحیت صرف کر دینے کا نام جہاد ہے۔

جہاد کی قسمیں

قرآن کریم کے مطالعہ کے بعد 'جہاد فی سبیل اللہ' کی دو بنیادی قسمیں سامنے آتی ہیں:

۱۔ جہاد بالمال ۲۔ جہاد بالنفس

ان کے علاوہ جہاد کی جتنی صورتیں بھی ہوسکتی ہیں وہ ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہی میں داخل ہیں، مثلاً جہاد بالعلم، جہاد بالقلم، جہاد باللسان وغیرہ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا کوئی بھی حصہ جہاد سے خالی نہیں ہے خواہ وہ مکی زندگی ہو یا مدنی۔

ہاں! یہ ضرور ہوا کہ مدینے میں انتہائی ضرورت کے پیش نظر جہاد کی ایک اور قسم سامنے آئی۔ یعنی ہجرت سے پہلے دلیلوں کے ذریعے باطل جماعتوں کا رد کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لگے رہنا، صبر وتحمل اور عفو ودرگذر کے ساتھ اللہ کی اطاعت میں مشغول رہنا اور اپنے نفس وخواہش سے لڑنا جہاد رہا تو ہجرت کے بعد مذکورہ تمام جہادوں کے ساتھ جہاد بالسیف یعنی قتال اور جنگ کا اضافہ ہوا، لیکن قتال کی صورت میں جہاد کو اسی وقت اپنایا جائے گا جب اس کی سخت ضرورت ہو۔

قرآن مقدس کی تین مکی آیتیں ایسی ہیں جن میں جہاد کا ذکر آیا ہے:

۱۔وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا. (فرقان:۵۲)

ترجمہ: اور قرآن کے ذریعے ان سے بڑا جہاد کیجئے۔

۲۔وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. (عنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ہم انھیں

ضرور اپنی راہ دکھائیں گے۔

۳۔وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ. (عنکبوت:۶)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو وہ اپنے ہی بھلے کے لیے کوشش کرتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ مکہ میں تلوار سے جہاد واجب نہیں تھا، کیوں کہ قتل وقتال مکی زندگی میں دعوت کا طریقہ نہیں رہا۔

چنانچہ ان آیات میں جہاد سے مراد ہے:

الف: دلائل و براہین سے باطل جماعتوں کا رد کرنا۔

ب: دعوت کی راہ میں آنے والے مصائب پر صبر کرنا۔

ج: نفسانی خواہشات کے خلاف جنگ کرنا۔

مکی زندگی میں دعوت کو عام کرنے کی خاطر جس طرح کا جہاد اور جس طرح کی کوششیں کی گئیں ان کی تین نوعیتیں ہیں:

۱۔خاموش جہاد

یہ دور خفیہ جہاد کا ہے جو اعلان نبوت کے پہلے سال سے لے کر تیسرے سال تک کی مدت پر مشتمل ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی کے ساتھ دعوت کا عمل جاری رکھا اور اس سلسلے میں ہر سطح پر مسلمانوں کو بہترین عمل و کردار کے ساتھ صبر وتحمل اور اطاعت کو اپنا شعار بنائے رکھنے کی تلقین کی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ.

(بخاری، باب السمع والطاعۃ لامام)

ترجمہ: جو شخص اپنے امیر سے کوئی ناپسندیدہ بات دیکھے تو اس پر صبر کرے۔

۲۔اعلانیہ جہاد

یہ دور اعلانیہ طور پر دعوت پہنچانے اور اس کے لیے کوشش کرنے کا ہے جو اعلان نبوت کے چوتھے سال سے لے کر دسویں سال تک کی مدت پر مشتمل ہے۔

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ. (شعرا:۲۱۴)

ترجمہ: اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باضابطہ طور پر دعوت کا عمل شروع کر دیا اور اہل مکہ کے درمیان توحید کی دعوت عام کرنے لگے جس کے نتیجے میں آپ کو اور آپ کے اصحاب کو طرح طرح کی اذیتیں بھی پہنچائی گئیں۔

۳۔بیرون مکہ جہاد

یہ دور اعلان نبوت کے دسویں سال سے لے کر ہجرت تک کی مدت پر مشتمل ہے۔

جب قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ. (حجر:۹۴)

ترجمہ: جس بات کا آپ کو حکم ملا ہے اسے اعلانیہ کہہ دیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لیں۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے باہر کے لوگوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا پیغام پہنچانا شروع کیا۔

غرض کہ مکی زندگی کے مطالعہ سے جو باتیں سامنے آتی

ہیں وہ یہ ہیں کہ اس عہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر اور ٹکراؤ سے بچنے کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ لیکن ہجرت کے بعد جب مدینہ پہنچے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھ ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اسلامی ریاست قائم فرمائی۔ یہ دیکھ کر کفار تلملا اٹھے اور اسلامی ریاست کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انتہائی حاجت کے پیش نظر جہاد کی آخری شکل جہاد بالسیف (قتال) کا حکم نازل فرمایا۔

آج بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد فرض نہیں ہے کیونکہ جہاد کی فرضیت دین کی حفاظت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لیے ہوئی تھی اور اب چونکہ اسلام غالب آچکا ہے اس لیے اب جہاد کی ضرورت نہ رہی۔

کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد کی آخری شکل یعنی قتال ہر حال میں فرض ہے خواہ صورت حال کیسی بھی ہو۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔

یادرکھیں کہ یہ گمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو مٹانے والا ہے جب کہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (احزاب:۲۱)

ترجمہ: بے شک تمھیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

قرآن تو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی کو نمونہ عمل بتا رہا ہے لیکن ہم پوری سیرت طیبہ کو نمونہ عمل ماننے کو تیار نہیں۔ (العیاذ باللہ)

جہاد کی اصل روح دعوت الی اللہ اور اپنی طاقت کے مطابق دین وحق کی نشر واشاعت ہے جو کبھی بھی متروک نہیں رہا ہے۔ جہاد کی شروعات خود اپنی ذات سے ہوتی ہے۔ پھر اپنے اہل وعیال، پڑوسی، قبیلے اور دیگر اللہ کے بندوں سے۔

دوسرے لفظوں میں ہم اسے جہاد بالنفس یا جہاد بالعمل کہہ سکتے ہیں۔ اس کے اندر بندہ اپنے ہر کام میں اللہ کی مرضی اور اس کی خوشنودی طلب کرتا ہے اور اس عمل میں جس طرف سے بھی روکاوٹیں آتی ہیں وہ اسے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے، مثلاً ریا، غرور، انانیت، نفسانی خواہشات، رسم ورواج وغیرہ۔

الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ. (ترمذی، فضل من مات مرابطاً)

ترجمہ: مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔

أَفْضَلُ الْجِهَادِ أَنْ تُجَاهِدَ نَفْسَكَ وَهَوَاكَ فِي اللّٰهِ. (کنز العمال، ج:۴، ص:۴۳۱)

ترجمہ: افضل جہاد یہ ہے اللہ کے لیے تو اپنے نفس اور خواہشات سے جہاد کرے۔

اس کے بعد دوسرا جہاد قریبی رشتہ دار، پڑوسی اور سماج ومعاشرے سے ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ. (آل عمران، ۱۰۴)

ترجمہ: اور تم میں ایک امت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے، بھلائی کا حکم دے اور برائی سے روکے وہی لوگ کامیاب ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ. (مسلم، باب النہی)

ترجمہ: تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اپنی زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔ (یعنی یہ ایمان کے شعبوں میں سے سب سے ضعیف ایمان ہے)

حدیث مذکور سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ انسانی طاقت کے مطابق جس طرح بھی دعوت کا کام ہو سکے اسے انجام دینا واجب ہے اور یہی جہاد کی حقیقت ہے۔ لہٰذا آج بھی اگر ہمارے مسلم بھائیوں پر مکی زندگی جیسی صورت حال پیش آجائے تو اُن پر جہاد بالصبر اور جہاد بالعفو لازم ہے۔

امام قرطبی و الذین جاھدو افینا کے تحت لکھتے ہیں:

جہاد صرف قتال کا نام نہیں ہے بلکہ دین کی مدد، باطل جماعتوں کا رد، ظالمین کا خاتمہ، اچھی باتوں کا حکم، بری باتوں سے روکنے اور اللہ کی بندگی میں نفسانی خواہشات سے مجاہدہ کرنے کا نام ہے۔ (تفسیر قرطبی، آیت، عنکبوت:۶۹)

امام قرطبی کا یہ خیال درست ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ شیطان، انسان کا سب سے بڑا اور کھلا ہوا دشمن ہے جو اللہ کے بندے کو بہکانے کے لیے ہمہ وقت گھات میں لگا ہے اور جہاں تک جہاد بمعنی قتال کی بات ہے تو یہ باقی ہے اور قیامت تک باقی رہے گا لیکن وہ جہاد اسی وقت عمل میں لایا جائے گا جب کہ جان، نسل، عقل، مال اور دین میں سے کسی ایک کی حفاظت جنگ کے علاوہ کسی اور طریقے سے ممکن نہ ہو اور جنگ کے لیے حالات بھی سازگار ہوں اور وہ جہاد بھی کسی امیر کی امارت میں ہو۔

یہی وجہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں جہاد بمعنی قتال کو اختیار نہیں فرمایا بلکہ جہاد کی دوسری قسموں پر عمل کیا، جیسے جہاد بالنفس، جہاد بالعلم اور جہاد باللسان وغیرہ۔

اس لیے اللہ کے بندوں کو چاہیے کہ شیطان سے مقابلے اور نفس سے جنگ و جہاد کے لیے ہر ترکیب پر عمل کریں اور اگر کبھی جان کی بازی لگانی ہو تو اس سے بھی نہ ہچکچائیں۔

☆☆☆

اسلام میں ظلم نہیں

اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ. (بقرہ:۱۹۰)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور حد سے آگے نہ بڑھو، بے شک اللہ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

آفتاب رشک مصباحی

مکی زندگی میں صلح، سلامتی اور صبر

صلح، سلامتی اور معافی یہ ایسی چیزیں ہیں جسے ہر انسان فطری طور پر پسند کرتا ہے۔ اس کے بر خلاف ظلم، تشدد اور انتقام کوئی بھی شخص پسند نہیں کرتا، اس لیے کہ یہ تینوں چیزیں فساد کا باعث ہیں اور فساد نہ صرف انسانوں کو ناپسند ہے بلکہ یہ خالق کائنات کو بھی ناپسند ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو دیکھیں تو مکی زندگی کے زیادہ تر پہلو ایسے نظر آئیں گے جہاں آپ نے صلح و سلامتی اور عفو و درگزر سے کام لیا۔ چند نمونے ملاحظہ ہوں:

۱۔ کعبہ شریف کی پہلی تعمیر فرشتوں نے کی، دوسری تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی اور اس کی آخری تعمیر اس وقت ہوئی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینتیس سال تھی۔ اس آخری تعمیر میں کعبہ ان بنیادوں پر تعمیر نہ ہو سکا جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی تھی، بلکہ اہل قریش نے حلال مال کی کمی کے سبب شمال کی طرف سے تقریباً چھ ہاتھ لمبائی کم کر دی۔ اس کے باوجود کہ قریش اور اہل مکہ مشرک تھے لیکن خود کو دین براہیمی کا پیروکار کہتے تھے اور تعمیر کعبہ میں حلال مال استعمال ہو، اس کا عقیدہ بھی رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ جانتے ہوئے کہ کعبہ کی لمبائی چھ ہاتھ کم ہو رہی ہے سب نے بالاتفاق اس کمی کے ساتھ کعبہ کی تعمیر مکمل کر ڈالی جس کا غم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عمر بھر رہا۔ چونکہ قریش و دیگر اہل مکہ کعبہ کی تعمیر جلدی کرنا چاہتے تھے، ایسی صورت میں اگر حضور حلال مال جمع ہونے تک تاخیر کا حکم دیتے تو ایک نئی جنگ کی شروعات ہو جاتی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح و سلامتی کا راستہ اپنایا اور اس معاملے میں خاموشی اختیار فرمائی۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۱،۱۹۴)

۲۔ تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کے لیے اسلامی کیلنڈر کے مطابق نظام حج قائم فرمایا تھا مگر بعد میں مشرکین مکہ نے قمری تاریخ کو بدل کر شمسی تاریخ متعین کر دی جو ایک طرح سے دین حنیف میں تحریف اور تبدیلی تھی۔ حالانکہ اس بات پر قدرت تھی کہ مشرکین مکہ کے بنائے ہوئے شمسی نظام کو بدل کر براہیمی نظام کے مطابق حج کی تاریخ متعین فرما دیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ کیا اور نظام شمسی کو باقی رہنے دیا، کیونکہ اگر آپ مشرکین کے بنائے ہوئے نظام شمسی کی جگہ براہیمی نظام کے مطابق حج ادا کرنے کا حکم دیتے تو اس صورت بھی ایک بڑا فساد رونما ہو جاتا اور اسلام کی تبلیغ و دعوت کو سخت نقصان پہنچتا، اس لیے آپ اس وقت تک صلح و سلامتی کا راستہ اختیار کرتے رہے جب تک کہ مکمل طور سے اسلام کو غلبہ نہ حاصل ہو گیا یعنی اعلان نبوت کے پورے تئیس سال بعد حجۃ الوداع کے موقع پر نظام شمسی کی جگہ قمری نظام بحال ہوا اور پھر اس وقت سے ذوالحجہ کے مہینے میں حج ادا کرنے کا عمل قمری تاریخ کے اعتبار سے دوبارہ بحال ہوا۔

(البدایہ والنہایہ، ج:۵، ص:۱۹۵)

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی نبوت کا

اعلان فرمایا اس وقت کعبے کے اندر تین سو ساٹھ بت تھے۔ آپ چاہتے تو طاقت کے ذریعے پہلے کعبے کو بتوں سے پاک کرنے کی بات کر سکتے تھے، کیونکہ آپ عرب کے بااثر قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، پھر لوگوں کو ایک اللہ کی دعوت دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ جو قوم صدیوں سے مورتیوں کو اپنا معبود مانتی چلی آئی تھی وہ اس بات پر کیسے راضی ہو جاتی کہ ان کے معبود کو بے گھر کر دیا جائے اور ان کی جگہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے، اگر ایسا ہوتا تو پھر ایک نہ ختم ہونے والی لڑائی شروع ہو جاتی اور اسلام کی دعوت کا کام مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ یہاں بھی آپ نے صلح و سلامتی سے کام لیا اور کعبے میں رکھے بتوں کو نہ چھیڑتے ہوئے پہلے اہل مکہ کے دینی افکار و نظریات بدلنے کی کوشش فرمائی۔

اس کا اثر یہ ہوا کہ جو لوگ بتوں کو کعبے میں رکھتے تھے اور اس کی حفاظت کرتے تھے ایک دن ان ہی لوگوں نے ان بتوں کو توڑ پھوڑ کر باہر پھینک دیا۔ (تاریخ ابن خلدون، ج:۱،ص:۳۱)

۴۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اعلان نبوت کا حکم دیا کہ اب آپ لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی دعوت دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مشرکین مکہ تک اپنی دعوت پہنچائی اور انھیں اللہ کا پیغام سنایا تو چند احباب کو چھوڑ کر سارا مکہ آپ کا دشمن ہو گیا۔ جناب ابو طالب کی زندگی میں تو ان کی دشمنی قدرے دبی رہی مگر ان کی وفات کے بعد اہل مکہ نے کھل کر آپ کو ستانا شروع کر دیا بلکہ جو لوگ آپ پر ایمان لاتے ان کو بھی اس بے دردی اور ظالمانہ انداز سے زدو کوب کرتے کہ دیکھنے والوں کا کلیجہ منھ کو آ جاتا۔ ایسے عالم میں بھی آپ نے نہایت صبر واستقلال سے کام لیا اور ایک دن پرامن طریقے سے ہجرت فرمائی۔ (صحیح بخاری، باب ہجرۃ النبی)

۵۔ اہل مکہ نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کا نتیجہ دیکھا تو ہر ممکن کوشش کرنے لگے کہ کوئی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سنے اور نہ ان سے کوئی ملے، یہاں تک کہ اہل مکہ (معاذ اللہ!) آپ کو مجنون، دیوانہ، شاعر اور جادوگر کہنے لگے مگر حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے ان کے منع کرنے کے باوجود لوگ آپ کے پاس آتے، آپ کی باتیں سنتے اور آپ پر ایمان لے آتے۔ اس سے تنگ آکر کفار ومشرکین نے آپ کو محمد کی بجائے مذمم (مذمت کیا ہوا) کہنا شروع کر دیا جو آپ کی شان میں ایک سنگین گستاخی تھی اور آپ کی عزت ووقار کو ٹھیس پہنچانا تھا۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقام لینے کے بجائے، عفو ودرگزر سے کام لیا اور فرمایا: یہ لوگ مذمم کو برا بھلا کہتے ہیں اور میں مذمم نہیں، محمد (تعریف کیا ہوا) ہوں۔ (سیرت ابن ہشام، ج:۱،ص:۳۷۹)

۶۔ عرب میں ''عکاظ، مجنہ، اور ذوالمجاز'' نہایت مشہور بازار تھے جہاں جاہلیت کے دنوں میں بڑا میلہ لگتا تھا۔ عرب کے علاوہ علاقائی اور دور دراز شہر کے لوگ بھی بغرض تجارت اس میں شریک ہوتے۔ یہ دیکھ کر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے ان میلوں کو تبلیغ ودعوت کے لیے بڑا مناسب سمجھا، چنانچہ ایک بار اللہ کی وحدانیت اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہوئے ذوالمجاز کی طرف نکلے۔ ابوجہل بھی پیچھے

ہولیا، وہ آپ پر مٹی پھینکتا جاتا اور کہتا جاتا کہ یہ شخص فریبی ہے، دھوکہ باز ہے، اس کے چکر میں نہ آنا۔ (مسند احمد، ج:۴، ص:۳۴۱)

ذرا سوچئے کہ اتنا بڑا میلہ جہاں مختلف علاقوں کے لوگ جمع ہوں اور ان کے سامنے ایک شخص دوسرے شخص کی عزت و آبرو پر حملہ کر رہا ہو، بھلا یہ کسی سے کیسے برداشت ہوسکتا ہے، لیکن یہ شان صرف محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ سب کے سامنے آپ کی شان میں ابوجہل نہایت بدکلامی کر رہا ہے مگر انتقام لینا تو دور آپ پلٹ کر اس کا جواب بھی نہیں دیتے اور نہ اس کی کسی بات پر کوئی توجہ دیتے۔ بلکہ آپ دعوت وتبلیغ میں مشغول رہتے۔

۷۔ مشرکین مکہ نے ہر ممکن کوشش کر لی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین سے نہ روک سکے یہاں تک کہ ہر قسم کی لالچ دے کر بھی ہار گئے، پھر جب حضرت حمزہ اور حضرت عمر نے ایمان قبول کر لیا تو انھیں بڑی تشویش ہوئی اور بالآخر ایک دن تمام قبیلوں نے مل کر آپ اور آپ کے جملہ جاں نثاروں کا مکمل بائیکاٹ کر دیا۔ جس کے نتیجے میں تمام مسلمانوں کے ساتھ تین سال تک 'شعب ابی طالب' میں مقید رہنا پڑا۔

روایت کے مطابق ان دنوں بھوک اور پیاس کی شدت کی وجہ سے مسلمانوں کے جسم پیلے پڑ گئے تھے، عورتوں اور بچوں کی بے چین آوازوں سے گھاٹیاں لرزنے لگتی تھیں مگر بے رحم مشرکوں پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا، ظالموں نے اس بے دردی کے ساتھ بائیکاٹ جاری رکھا کہ نہ تو کہیں سے کچھ پانی اندر جاتا اور نہ کھانے کا کوئی سامان۔ (بخاری، باب تقاسم المشرکین علی النبی)

اس واقعے کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ اس سختی و پریشانی کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو کچھ بھی برا بھلا نہ کہا بلکہ اپنی عادت کے موافق ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے رہے، حالانکہ آپ چاہتے تو کم ازکم ان کے لیے بددعا کر سکتے تھے مگر آپ نے یہ بھی نہ کیا۔

آج ہم ایک ایسے ماحول اور معاشرے میں جی رہے ہیں جہاں شرعی قانون نافذ ہے نہ اس کے نفاذ کی کوئی صورت ہے اور نہ ہی یہ سماج ومعاشرہ فی الحال اس کے لیے تیار ہے۔ ایسے حالات میں مکی سیرت ہماری رہ نمائی کرتی ہے کہ ہم کسی پر جبراً شرعی قانون نافذ کرنے کے بجائے صلح وسلامتی اور معافی کی راہ اختیار کریں اور اپنے اچھے اخلاق وکردار سے لوگوں کے ذہن وفکر کو بدلنے کی کوشش کریں تاکہ لوگوں کا دل اور دماغ خود بخود شرعی نظام کی طرف راغب ہو پھر اس کے بعد شرعی قانون کے نفاذ میں کوئی دشواری نہیں ہوگی۔

نیز اگر کوئی ہماری دعوت قبول کرنے کے بجائے ہمیں گالیاں دیتا ہے، ہمارا مذاق اڑاتا ہے، ہمیں برا بھلا کہتا ہے یا سرے سے ہماری دعوت کا انکار کر دیتا ہے تو اس پر برہم ہونے کے بجائے نہایت صبر وضبط سے کام لیں اور اس کے خلاف انتقامی کارروائی کرنے کے بجائے عفو ودرگذر کو بروئے کار لائیں، بلکہ ان کے لیے دعائے خیر کریں اور یاد رکھیں کہ اگر یہ لوگ ہمارا پیغام نہیں سنتے، ہماری دعوت قبول نہیں کرتے اور ہماری باتوں پر دھیان نہیں دیتے تو کیا ہوا۔ ان شاء اللہ ایک نہ ایک دن ان کی آنے والی نسلیں ہماری دعوت قبول کریں گی اور ہماری آواز پر لبیک کہیں گی۔

☆☆☆

شاھدرضاازھری

تنصیب حجراسوداورتصفیہ قریش

حجراسودایک باعظمت پتھر ہے۔اس کی عظمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ظاہر ہوتی ہے:

حجراسوداورمقام ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دویاقوت ہیں۔اللہ نے ان کے نورکومٹادیا،اگرایسانہ ہوتاتویہ مشرق ومغرب کے درمیان کومنورکردیتے۔

(سنن ترمذی،باب فضل حجرالاسود)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجراسوداور رکن یمانی کااستلام(بوسہ)کرتے تھے۔ (مسلم،باب الاستلام)

حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہما کابیان ہے:

جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کورکن یمانی اورحجراسودکواستلام کرتے اورچومتے دیکھاہےاسی وقت سے میں نے دونوں عمل کوکبھی نہیں چھوڑا،نہ سختی میں نہ آسانی میں۔

(مسلم،باب الاستلام)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نےفرمایا:

مَنْ فَاوَضَهُ فَإِنَّمَا يُفَاوِضُ يَدَ الرَّحْمَنِ.

(ابن ماجہ،باب فضل طواف)

ترجمہ:جس نے اس(حجراسود)کوبوسہ دیاگویااس نے اللہ تعالیٰ کے ید(ہاتھ)کوبوسہ دیا۔

روایت ہے کہ حضرت عمررضی اللہ عنہ حجراسودکے پاس آئےاوراسے بوسہ دیاپھرکہا:

میں جانتاہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔نہ نقصان پہنچاسکتاہے نہ نفع،اگرمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوتجھے بوسہ لیتے ہوئے نہ دیکھتاتومیں تجھے نہ چومتا۔ (بخاری،باب ذکرالحجرالاسود)

امیرالمومنین حضرت عمررضی اللہ عنہ کےاس عمل سے یہ واضح ہوتاہے کہ ان کامقصداہل مکہ کویہ پیغام دیناتھاکہ حجراسودکوچومنے کامطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان حجراسودکونفع اورنقصان کامالک سمجھ کرچومتے ہیں،بلکہ صرف اس لیے چومتے ہیں کہ یہ اللہ کاحکم اوراس کے رسول کی سنت ہے۔

تنصیب حجراسوداورتصفیہ قریش

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ . (آل عمران:۹۶)

ترجمہ:بے شک سب سے پہلاگھرجولوگوں کے لیے بنایاگیاوہی ہے جومکہ میں ہے،برکت والااورتمام جہان والوں کی ہدایت کاسبب ہے۔

کعبہ کویہ خصوصیت حاصل ہے کہ ہرزمانے میں اس کی عزت وتعظیم کی گئی اورہرطبقہ کے لوگوں کے دل میں اس کی عظمت ہمیشہ قائم رہی۔اہل مکہ جوبت پرستی میں مبتلاتھے وہ بھی اس کی بزرگی کے قائل تھے۔

یہی وجہ تھی کہ جب کعبہ کی عمارت خستہ ہوگئی اور اہل مکہ نے اس کی از سرِ نو تعمیر کرنا چاہا تو یہ متفقہ فیصلہ ہوا کہ کعبہ کی تعمیر میں صرف اور صرف حلال کمائی کا مال استعمال کیا جائے، جیسا کہ قریش میں سے ایک شخص ابووہب نے اعلان کیا:

اے قریش! کعبہ کی تعمیر میں پاکیزہ اور حلال کمائی کے سوا کوئی چیز نہ دینا، مثلاً: فاحشہ کی اجرت، سود کا مال اور کسی انسان سے چھینی ہوئی دولت اس تعمیر میں نہ لگانا۔

(السیرۃ النبویہ لابن کثیر، ج:۱، ص:۲۷۷)

سب کچھ انتظام کرلیا گیا لیکن کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ کعبے کی دیوار توڑنے کے لیے آگے آئے، کیونکہ ایک تو کعبہ مقدسہ کی عظمت اہل مکہ کو روک رہی تھی اور دوسری بات یہ کہ وہ ابرہہ کا انجام دیکھ چکے تھے۔ آخر ہمت کر کے ولید بن مغیرہ آگے بڑھا اور یہ دعا پڑھتے ہوئے کعبہ کی خستہ دیواریں توڑنے کا کام شروع کیا:

اَللّٰھُمَّ لَایَرَعُ اَللّٰھُمَّ اِنَّالَانَرِیْدُ اِلَّاالْخَیْرُ.

(السیرۃ النبویۃ لابن ہشام، ج:۱، ص:۲۱۱)

ترجمہ: یااللہ! ہمیں رسوانہ کرنا، ہم صرف نیک کام کا ارادہ رکھتے ہیں۔

پھر بھی لوگوں کے اندر اتنی جرأت نہ ہوئی کہ کعبہ کو ہاتھ لگائیں۔ اہل مکہ نے رات کا انتظار کیا کہ دیکھیں ولید کا انجام کیا ہوتا ہے، اگر رات بخیر وخوبی گزر گئی تو سمجھیں گے کہ اللہ کی مدد حاصل ہے ورنہ بصورت دیگر حجر اسود کو اس کے مقام پر رکھ کر چھوڑ دیں گے۔ لیکن رات اچھی گزری، چنانچہ اس سے حوصلہ پا کر اہل مکہ کعبے کی از سرِ نو تعمیر میں لگ گئے اور اس کا طریقہ یہ رکھا کہ ہر قبیلے نے مل کر اپنا اپنا کام تقسیم کر لیا تھا۔

چونکہ حجر اسود نصب کرنا بڑی عزت وشرف اور فخر کی بات تھی اور ہر قبیلہ اس عظیم عمل کو کرنا چاہتا تھا، اس لیے جب تعمیر مکمل ہوگئی اور حجر اسود نصب کرنے کا وقت آیا تو اہل مکہ میں سخت اختلاف پیدا ہوگیا۔ قبیلہ بنوعبدالدار نے باہم مشورے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ حجر اسود اس کا قبیلہ ہی نصب کرے گا اور اس میثاق کو حتمی شکل دینے کے لیے خون سے لبریز پیالہ مجلس میں لائے گا۔

لہٰذا لوگوں نے خون میں ہاتھ ڈال کر قسمیں کھائیں کہ اس اعزاز کو حاصل کرنے کے لیے اپنی جان کی بازی لگادیں گے۔ غرض کہ کئی روز تک حالات سنسنی خیز رہے۔ آخر ایک دن اس مشکل معاملے کے حل کے لیے ولید بن مغیرہ سامنے آیا اور کعبہ میں جمع لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

اے قبیلۂ قریش! جس معاملے میں تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا ہے اس کا فیصلہ کرنے کے لیے اس شخص کو اپنا فیصل بنالو جو کل سب سے پہلے کعبہ کے اندر داخل ہو، چنانچہ اس بات پر سب متفق ہوگئے۔

دوسری صبح سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر داخل ہوئے۔ آپ کو دیکھ کر سارے لوگ خوش ہوگئے، ایک نے کہا: ھٰذَاالْاَمِیْنُ رَضِیْنَا حَکَمًا ھٰذَا مُحَمَّدٌ. (السیرۃ النبویۃ لابن کثیر، ج:۱، ص:۲۱۴)

ترجمہ: یہ محمد ہیں، یہ امین وصادق ہیں ہم ان کے فیصلے پر راضی ہیں۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قریب پہنچے تو انھوں نے سارا ماجرا بیان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیش کش قبول کرتے ہوئے فرمایا: هَلُمَّ اِلَيَّ ثَوْبًا.

ترجمہ: میرے پاس ایک چادر لاؤ۔

آپ نے اس چادر کو زمین پر پھیلا دیا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس میں رکھا پھر ہر قبیلے کے سرداروں سے فرمایا کہ سب مل کر اس چادر کو اٹھاؤ اور لے کر چلو، جب حجر اسود کی جگہ پہنچے تو آپ نے حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے اس کے مقام پر نصب فرما دیا۔ اس طرح ایک بڑا فتنہ ختم ہو گیا اور ہر قبیلے کو حجر اسود اٹھانے کا شرف بھی حاصل ہوا۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکیمانہ فیصلے سے ایک عظیم فتنے کو دفع کیا تو وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عرب پر آپ کے اخلاق کا کافی گہرا اثر تھا۔ ورنہ کیا بات تھی کہ مرنے مارنے پر آمادہ قریش نے آپ کو دیکھ کر نہ صرف هـذا الامین کا نعرہ بلند کیا بلکہ آپ کے فیصلے پر اپنی رضا کی مہر بھی ثبت کر دی۔

یوں ہی اس بات کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ ہم کسی امین و صادق ذات کو تلاش کریں یا اگر ہمارے درمیان کوئی ایک ایسی شخصیت ہے تو ہم اس کو ہر چھوٹے بڑے اختلاف میں اپنا امیر و فیصل بنائیں اور اس کی بارگاہ میں اپنے مسائل کو رکھیں۔ تاکہ ہماری مشکلات صلح و صفائی کے ذریعے حل ہو سکیں۔

☆☆☆

راجدھانی دہلی کی مرکزی درسگاہ

الجامعۃ الاسلامیہ

الجامعۃ الاسلامیہ کا شاندار ماحول دینی وعصری تعلیم وتربیت کے اعلیٰ معیار پر قائم ہونے کے سبب طالبان علوم نبویہ کے لیے کشش کا باعث بنا ہوا ہے۔ بحمدہ تعالیٰ درس نظامی کا معقول بندوبست ہے۔ اس سال درجہ خامسہ تک کی تعلیم مکمل نظم وضبط کے ساتھ ہو رہی ہے اور ان شاء اللہ آئندہ سال درجہ سادسہ کے اضافے کا عزم مصمم ہے۔ طلبہ کی بڑھتی تعداد کے پیش نظر شعبہ جات اور دارالاقامہ کے لیے ہمارا تعمیری سفر جاری ہے۔

جامعہ کا تعلیمی معیار: درس نظامی از درجہ اعدادیہ تا عالمیت، حفظ وقرأت، ناظرہ۔

بانی و سربراہ: مولانا سہیل احمد قادری۔ Mob: 9350202945

افتخار عالم سعیدی

مکی زندگی میں دعوت و تبلیغ

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے لیے وقف تھی لیکن باقاعدہ طور پر تبلیغ ودعوت کا آغاز اعلان نبوت سے ہوتا ہے جس کی باضابطہ مدت تئیس سال ہے، اس میں تیرہ سال مکہ مکرمہ میں دعوت دی اور دس سال مدینہ منورہ میں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ مکرمہ میں رہے، بڑی حکمت عملی سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ آپ نے مکی زندگی میں دعوت وتبلیغ کے لیے جو طریقہ اختیار فرمایا اس کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

پہلا دور

اس دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں پہلے خفیہ طور پر دعوت دی، پہلی وحی کے نزول کے بعد آپ نے ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے 'غار حرا' کے واقعے کو بیان کیا، وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، ورقہ بن نوفل کا جواب سن کر انھوں نے فوراً آپ کی رسالت کو تسلیم کرلیا، یوں سب سے پہلے ایمان لانے کی سعادت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نصیب ہوئی۔

اس دعوت میں ایک خاص اور اہم نکتہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنھیں واضح لفظوں میں ایمان لانے کو نہیں کہا اور نہ ہی یہ کہا کہ میں نبی ہوں تم مجھ پر ایمان لے آؤ، بلکہ صرف نزول وحی اور اس پر مرتب اثرات کی کیفیتوں کا بیان فرمایا اور انھوں نے فوراً آپ کی صداقت قبول کرلی۔

اِدھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔''

تو اسی وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا:

''میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ نے سچ فرمایا اور آپ سچوں میں سے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

واقعہ یوں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دن حکیم بن حزام کے پاس تشریف فرما تھے کہ ان کی باندی انھیں بتانے لگی کہ آپ کی پھوپھی حضرت خدیجہ بنت خویلد اپنے خاوند کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح پیغمبر خیال کرتی ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے، دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کی تصدیق فرمائی اور پھر صدیق اکبر ایمان لے آئے۔

اس طرح دعوت کا پہلا دور بالکل خاموشی کے ساتھ مسلسل تین برسوں تک چلتا رہا۔ اس پورے عرصے میں محض چالیس لوگ ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئے اور یہ چالیس نفوس قدسیہ اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لیے بنیاد اور ستون ثابت ہوئیں۔

ان میں خلفائے راشدین اور مشہور صحابہ کرام جن میں عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبید اللہ، عبداللہ بن مسعود، خالد بن سعید، ابوذر غفاری، حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم تھے۔ بالخصوص حضرت حمزہ اور حضرت عمر فاروق کے ایمان لانے سے اسلام کو بہت قوت ملی کہ کھل کر دعوت حق دینے کا سلسلہ شروع ہوا۔

دوسرا دور

جب حضرت جبریل امین علیہ السلام یہ وحی لے کر حاضر خدمت ہوئے کہ:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ. (شعرا:۲۱۴)

ترجمہ: اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں اور اپنے بازو کو ان لوگوں کے لیے بچھائیں جو آپ کی پیروی اور اتباع کرتے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے اپنے خاندان والوں کو بلوایا جن کی تعداد تقریباً چالیس تھی، اس دن آپ گفتگو نہ کر سکے، لیکن پھر چند روز بعد ان سب کو دعوت دی اور فرمایا کہ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، میں اس کی حمد کرتا ہوں اور اس سے مدد طلب کرتا ہوں، میں اسی پر ایمان لایا ہوں اور اسی پر توکل کرتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

پھر ایک تاریخی خطبہ پیش فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ میں تمہاری طرف بالخصوص اور ساری انسانیت کی طرف بالعموم رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ واللہ! تجھے موت اس طرح آئے گی جس طرح تجھے نیند آتی ہے اور قبروں سے یوں اٹھائے جاؤ گے جیسے خواب سے بیدار ہوتے ہو اور تم جو عمل کرتے ہو، اس کا تم سے حساب ہوگا، تمہارے اچھے اعمال کا اچھا بدلہ اور برے اعمال کی بری جزا تمھیں دی جائے گی اور ٹھکانہ ہمیشہ کے لیے جنت ہوگی یا جہنم۔ واللہ اے فرزندان عبدالمطب! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اس چیز سے بہتر اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ میں تمہارے پاس آخرت کی کامیابی اور فلاح لے کر آیا ہوں۔ (السیرۃ الحلبیہ: ج:۱،ص:۲۷۲)

اس خطبے کے بعد ابولہب نے بہت ہی گھٹیا حرکت کی جس کو دیکھ کر آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ صبر نہ کر سکیں اور برجستہ کہہ اٹھیں:

کیا تجھے یہ بات زیب دیتی ہے کہ تو اپنے بھتیجے کو بے یار و مددگار چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! آج تک اہل علم ہمیں یہ بتاتے رہے ہیں کہ عبدالمطلب کی نسل سے ایک نبی ظاہر ہوگا واللہ یہ وہی نبی ہیں۔

اور ابوطالب نے یہ اعلان کر دیا کہ واللہ! جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت اور دفاع کریں گے۔

جب تیسرے اجتماع کا اہتمام فرمایا تو اس میں قریش کے سارے لوگوں کو دعوت دی، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ جب آیت کریمہ: وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ. نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑی پر کھڑے ہوئے اور ایک دعوتی خطبہ دیتے ہوئے تمام خاندان

اورقبائل کا نام لے لے کرفرمایا کہ اپنے آپ کوجہنم کی آگ سے بچاؤ کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں مگر یہ کہ تم کہو: لا الٰہ الا اللّٰہ.

(السیرۃ الحلبیہ، ج:۱،ص:۲۷۱)

کفار مکہ نے یہ سن کر اپنے سخت ردعمل کا اظہار کیا چنانچہ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ. (حجر:۹۴)

ترجمہ: اے رسول! جس بات کا آپ کو حکم دیا ہوا، صاف طور سے اس کا اعلان کردیں اور مشرکوں سے اعراض کریں۔ آپ کی طرف سے ہم مذاق اڑانے والوں کے لیے کافی ہیں۔

اس آیت کریمہ کے نزول سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم مل گیا کہ اب کھلم کھلا لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں، یوں آپ نے اعلانیہ طور پر دعوت کا عمل شروع فرمایا جو دعوت کے تیسرے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

تیسرا دور

اس دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانیہ طور پر لوگوں میں دعوت حق دینا شروع فرمایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس دور میں ہر طرف سے ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے، لیکن ہر درد اور کرب سہنے کے باوجود آپ دعوت وتبلیغ میں مصروف رہے۔ دشمنوں نے جب دیکھا کہ اسلام تیزی سے پھیلتا جارہا ہے تو یہ بات انھیں بہت ہی ناگوار گزری اور اُسے روکنے کے لیے کوششیں شروع کردیں۔ مکہ کے چند باعزت افراد سب سے پہلے ابو طالب کے پاس گئے اور ان سے تبلیغ روکنے کی درخواست کی، لیکن انھوں نے منع کردیا تو خود اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کی کوشش کی اور ایک دن عتبہ بن ربیعہ بارگاہ نبوی میں پہنچا اور اپنی تجویزیں پیش کیں۔ جب وہ خاموش ہوگیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ حٰمٓ کی چند آیتیں تلاوت فرمائیں:

حٰـمٓ یہ قرآن رحمٰن ورحیم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں مفصل بیان کی گئیں ہیں۔ یہ قرآن عربی زبان میں ہے جو عقل والوں کے لیے خوشخبری دیتا اور ڈرسناتا ہے تو ان میں اکثر نے منہ پھیر لیا اور بات نہیں سنی اور بولے اس بات سے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو پردہ پڑا ہوا ہے۔ ہمارے کانوں میں گرانی ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے۔ تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔

ان آیات کو تلاوت کرنے کے بعد یہ فرمایا: جو تم کو سننا چاہیے تھا وہ تم نے سن لیا اب تم جانو اور تمہارا کام۔

مذکورہ آیات کریمہ کا عتبہ کے دل پہ اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ ایمان تو نہیں لایا لیکن اس کے دل سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت تقریباً نکل گئی۔ چنانچہ جب اس نے تمام واقعات اپنے دوستوں سے بیان کیا تو وہ ان پر طنز کرنے لگے۔

پھر ایک دن کفار مکہ کے چند سربراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور وہی تجویزیں پیش کیں جو عتبہ نے پیش کی تھیں۔ آپ نے ان تجویزوں کا جواب نہیں دیا بلکہ انھیں ان الفاظ میں دعوت دی:

میں ان چیزوں میں سے کسی چیز کا طلب گار نہیں۔ نہ مجھے مال و دولت کی خواہش ہے اور نہ ہی سرداری اور برتری کی آرزو اور نہ میری نگاہوں میں شاہی تخت و تاج کی کوئی قدر و قیمت ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اس کی رحمت کی خوش خبری سناؤں اور اس کے عذاب سے بر وقت خبر دار کروں۔ میں نے اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچا دیے ہیں اور اپنی طرف سے تمہاری خیر خواہی کا حق ادا کر دیا ہے۔ جو دعوت حق لے کر میں آیا ہوں اگر تم اس کو قبول کر لوگے تو دنیا اور آخرت میں سعادت مند ہو گے اور اگر تم اس کو ٹھکراؤ گے تو میں پھر بھی صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔

(ضیاء النبی، ج:۲، ص:۲۸۵)

مذکورہ تینوں ادوار کے دعوتی پہلو پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں صرف دعوت حق دیتے رہے، کفار مکہ کا نہ تو کوئی جواب دیتے اور نہ ہی اس کے ظلم وستم کا دفاع کرتے، بلکہ صبر واستقلال سے کام لیتے۔ جو لوگ بھی آپ کے پاس آتے انھیں دعوت حق دیتے، عموماً قرآن مجید کی آیات تلاوت فرما کر لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے۔ پورے مکی دور میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اقرار، کفر و شرک سے بچنے، موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے، قیامت قائم ہونے، حساب و کتاب ہونے اور قرآن مجید کا اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب ہونے پر زور دیا گیا ہے۔

جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وتبلیغ کے رد عمل میں ظلم وستم کی بارش برسائی جا رہی تھی، آپ کے اصحاب پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، ایمان والوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا، ایسے عالم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گزر رہی ہوگی، وہ ہر درد مند انسان محسوس کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود آپ نے ظالموں کے حق میں ہدایت کی دعا فرمائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسی طرح مصروف اور دین حق کی تبلیغ واشاعت کے لیے کوشاں رہے یہاں تک کہ ہجرت کا حکم ہو گیا۔

☆☆☆

آپ کے میل/ایس ایم ایس/فون کا انتظار ہے!

☆ ماہنامہ خضر راہ کے مضامین آپ کو کیسے لگتے ہیں؟

☆ ماہنامہ خضر راہ میں آپ کا پسندیدہ کالم/مضمون؟

☆ ماہنامہ خضر راہ پڑھنے سے آپ کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

☆ ماہنامہ خضر راہ کو خوب تر بنانے کے لیے آپ کا کوئی مشورہ؟

☆ ماہنامہ خضر راہ میں کوئی ایسی چیز جو آپ کو پسند نہیں؟

ای میل: khizrerah@gmail.com

موبائل:9312922953

جهانگیر حسن مصباحی

مکی زندگی اور ہمارا عمل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیمٍ. (قلم:۴)

ترجمہ: آپ کا اخلاق عظیم تر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ اخلاق پیش کیا وہ مکمل طور سے اللہ کے کلام کی تفسیر ہے۔

روایت ہے کہ حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

اے ام المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے بارے میں مجھے کچھ بتائیں تو انھوں نے فرمایا:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ، أَمَا تَقْرَأُ الْقُرْآنَ.

(مسند احمد، عائشہ بنت صدیق)

ترجمہ: تم قرآن نہیں پڑھتے؟ ان کا اخلاق سراپا قرآن تھا۔

اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو پوری امت مسلمہ کے لیے بہترین نمونۂ عمل قرار دیا گیا ہے کہ جس طرح قرآن کریم ہر انسان کے لیے ہدایت (ھدی للناس، بقرہ:۱۸۵) ہے، اسی طرح سیرت طیبہ بھی ہر انسان کے لیے (کافۃ للناس، سبا:۲۸) ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

بلاشبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سیرت پوری انسانیت کے لیے ایک چراغ کی مانند ہے جس کی روشنی میں ایک کامیاب زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ خاص کر مکی زندگی اس پرفتن دور میں مسلمانوں کے لیے ایک کامل رہنما کی حیثیت رکھتی ہے۔ یوں تو مکمل طور سے اسلام کا پابند ہونا ہر مسلمان کا مذہبی تقاضا اور دینی ذمہ داری ہے۔ لیکن دنیا کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے مکی زندگی کی زیادہ تر باتیں آج بھی ہمارے لیے کامیابی کی علامت ہیں، مثلاً:

بہترین اخلاق

مکی زندگی خواہ اعلان نبوت سے پہلے کی ہو یا اعلان نبوت کے بعد کی، ہر زمانے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پاک دامن، منکسر المزاج، حلیم الطبع اور امین و صادق کی حیثیت سے جانے گئے۔ اہل مکہ آپ کی شرافت و پاکیزگی اور اعلی اخلاق کے اس درجہ قائل تھے کہ کعبہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو اس کے مقام میں رکھنے کو لے کر جب سخت اختلاف پیدا ہوا تو اس وقت آپ کا کریمانہ اخلاق اور امانت و صداقت نے بنیادی کردار ادا کیا۔ وہ یوں کہ جیسے ہی قریش کے سرداروں اور بڑے بوڑھوں کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام فیصل کی حیثیت سے آیا وہ سب بیک زبان پکار اٹھے:

هَذاالاَمِيْنُ، رَضِيْنَا، هَذا مُحَمَّدٌ.

(سیرت ابن ہشام، ص:۱۰۵)

ترجمہ: یہ تو امانت دار ہیں، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو فیصل (جج) بنانے کے لیے راضی ہیں۔

یوں اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کو بخوشی قبول کیا اور ایک خون ریز جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

اسی طرح جب اعلانیہ طور پر توحید کی دعوت کا حکم ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوہِ صفا پر تشریف لائے اور عرب سے مخاطب ہو کر فرمایا:

لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا بِالوَادِي تُرِيدُ أَنْ تُغِيرَ عَلَيْكُمْ، أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ قَالُوا: نَعَمْ، مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا. (صحیح بخاری، باب وانذر عشیرتک)

ترجمہ: اے قریش! اگر میں یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کی ایک فوج کھڑی ہے جو تم پر حملہ کرنے والی ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کرو گے؟ سب نے مل کر کہا کہ بالکل یقین کریں گے، اس لیے کہ ہم نے ہمیشہ آپ کو سچ بات ہی کہتے ہوئے پایا ہے۔

اسی پر بس نہیں بلکہ مکے کے بڑے بڑے تاجر آپ کے ذریعے اپنی تجارت کو فروغ دینا چاہتے تھے، بلکہ اعلان نبوت کے بعد بھی مکے کے لوگ جو آپ کی دعوت کو نہیں مانتے تھے وہ بھی حفاظت کے لیے آپ ہی کے پاس اپنی امانتیں رکھتے، کیونکہ انھیں اس بات کا یقین اور اطمینان تھا کہ ان کی امانت جتنی محفوظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہ سکتی ہے اتنی محفوظ کسی اور کے ہاتھوں میں نہیں رہ سکتی۔

آج ہم مسلمان اخلاق اور امانت وصداقت کے کس درجے میں ہیں اس کا اندازہ ہم خود کر سکتے ہیں۔ ایک وقت وہ بھی تھا کہ جب لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہوتے اور ان کے پاس سے کوئی مسلمان گزرتا تو اس کو فیصل بنا کر معاملہ رفع دفع کرا لیتے جب کہ آج ہم خود بھی اپنے معاملات کا فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں۔ رہ گئی امانت وصداقت کی بات تو جب ہم اللہ و رسول کی امانت میں خیانت (قرآن وحدیث میں کمی بیشی) کرنے سے نہیں چوکتے اور اللہ ورسول سے کیے ہوئے وعدے میں سچے نہیں (فرائض، واجبات چھوڑ دیتے ہیں) تو دنیا میں لوگوں کی امانت کا تحفظ اور ان کے ساتھ کیے ہوئے وعدوں کو کیسے نبھا پائیں گے۔

صبر واستقامت

مکی زندگی کا ایک ممتاز پہلو یہ بھی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ صبر وشکر اور اولوالعزمی کے ساتھ اپنے صحیح موقف پر قائم رہے۔ اعلان نبوت اور دعوت وتبلیغ کے بعد مکے کی اکثریت برابر اسلام کے خلاف رہی، وہ ہمیشہ مٹھی بھر مسلمانوں کو ستاتی، انھیں تکلیفیں دیتی اور دن رات اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرتی۔ اس کے باوجود آپ نے کفار مکہ کی اس بدسلوکی کا جواب کبھی بھی طاقت یا احتجاج سے نہیں دیا بلکہ ہمیشہ صبر، خاموشی، ہمت، حوصلہ، استقامت اور اچھے اخلاق سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرب کی جانب سے مختلف

تجویزیں بھی آئیں جیسے حکومت و بادشاہت، مال و دولت اور حسین ترین عورتیں پیش کرنے کی باتیں اور بدلے میں اسلام کی دعوت سے الگ ہونے کی بات کہی گئی۔ لیکن آپ نے ہر پیش کش کو ٹھکرا دیا اور دعوت وتبلیغ کے اپنے موقف سے ذرہ برابر سمجھوتہ کرنا گوارا نہ فرمایا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہے۔ کچھ عربوں نے حضرت ابو طالب کے ذریعے بھی آپ کو خریدنے کی کوششیں کیں، اس وقت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا کہ چچا جان!

اگر میرے ایک ہاتھ میں چاند دوسرے میں سورج رکھ دیا جائے اور کہا جائے کہ اس کام سے رک جاؤ تو بھی میں ایسا نہیں کرسکتا۔

ایک ہم ہیں کہ ذرا سی مصیبت آئی صبر کھو بیٹھے، کسی نے لالچ دی ہم اپنے موقف سے بہک گئے، سودے بازی کرلی یا کہیں پہ چند سکوں کی بارش ہوئی تو اسی میں بہہ گئے، پھر بھی ہمارا یہ دعویٰ کہ ہم شاکر وصابر اور صادق وامین نبی کی امت میں ہیں۔

ٹکراؤ سے پرہیز

مکی زندگی سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حتی الامکان ٹکراؤ سے پرہیز کرتے رہے، کیونکہ یہی وقت کا تقاضا تھا۔ لیکن جب بھی کوئی موقع ملتا اہلِ مکہ کو دعوت دیتے اور ان کے سامنے اخلاق کا اعلیٰ نمونہ پیش فرماتے، جیسے گالیوں کا جواب دعاؤں سے دیتے، پتھر کا جواب نرمی وشفقت سے دیتے اور دل آزاری کا جواب ہمدردی وغم گساری سے دیتے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ عربوں کا سخت رویہ دھیرے دھیرے نرم ہوتا چلا گیا جس کی وجہ سے نہ صرف دعوت وتبلیغ کے لیے راستے ہموار ہوئے بلکہ عام لوگوں کے دلوں میں دین کی عظمت بیٹھنے لگی اور ایک بڑی تعداد کی مخالفت کے باوجود اسلام کی خوشبو پھیلتی ہی چلی گئی، یہاں تک کہ جو لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے شدید ترین دشمن تھے وہ بھی آپ کا کریمانہ اخلاق دیکھ کر ایمان لانے لگے۔

موجودہ دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو ہم پائیں گے کہ کریمانہ اخلاق امانت وصداقت اور صبر واستقامت اپنائے بغیر اور ہر قسم کے ٹکراؤ سے پرہیز کیے بغیر نہ ہم دنیاوی اعتبار سے کامیاب ہوسکتے ہیں اور نہ ہی دینی اعتبار سے دعوت وتبلیغ کا اہم فریضہ انجام دے سکتے ہیں، اس لیے مکی زندگی سے ہمیں سبق لینے کی سخت ضرورت ہے۔

مزید برآں مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک طرف امانت اور صداقت کے ساتھ اپنے دعوتی موقف پر سختی سے قائم رہیں تو دوسری طرف صبر واستقلال کے ساتھ پورے ملک اور معاشرے میں اخلاق ومحبت، اعلیٰ کردار وعمل، خیر خواہی و ہمدردی جیسے جذبات کا مظاہرہ کریں بالخصوص غیر مسلموں کے ساتھ، تاکہ دعوت واصلاح اور اشاعت دین کا کام عام سے عام تر ہوتا چلا جائے۔

☆☆☆

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی و مفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اِستثنا	الگ کرنا، جدا کرنا، عام حکم سے جدا حکم لگانا	ترمیم	بدلنا، اصلاح کرنا
اِستفادہ	نفع اٹھانا، فائدہ حاصل کرنا	تصدیقِ قلبی	دل سے ماننا
اِستقلالی قوت	مضبوط ارادہ، پائیدار و مستحکم طاقت	تفریق	الگ الگ کرنا، فرق کرنا
اصطلاح	لفظ کا وہ معنی جو کسی خاص علم یا فن میں مراد ہو	حجاز	عرب کا وہ علاقہ جس میں مکہ و مدینہ ہیں
اِعراض	منہ پھیرنا، بچنا	حربی	قتل و غارت گری کرنے والا
اَفراد سازی	کسی خاص کام کے لیے جماعت تیار کرنا	حکمت بالغہ	پختہ تدبیر، کامل سمجھ
اِقتباس	چنا ہوا کلام، حوالے کی وہ عبارت جو نقل کی جائے	حلیم الطبع	نرم مزاج، صبر کرنے والا
اُمرا، امیر کی جمع	مالدار، حاکم	درگور کرنا	دفن کرنا
امنِ عالم	دنیا کا امن چین	درسِ عبرت	ایسا واقعہ جس سے نصیحت حاصل ہو
اوراد، ورد کی جمع	وظیفہ، روز کا کام	دست برداری	خود کو الگ کر لینا
بامِ عروج	بلندی کی چھت، مراد بہت بلند	دِقّت طلبی	مشکل پسندی، پریشانی میں ڈال لینا
بغض و عداوت	کینہ و دشمنی	ذِمّی	وہ غیر مسلم جس کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت نے لے لی ہے۔
براہین	واضح دلائل		
پشت پناہی	مدد، حمایت	رَضاعت	دودھ پینا
پشتوں	نسلوں	راجح	بہتر، پسندیدہ
پیامبر	پیغام پہنچانے والا، رسول	راسخ	مضبوط، محکم عقیدہ
پُرفتن دور	فتنہ سے بھرا زمانہ	راہِ راست	صحیح طریقہ، سیدھا راستہ
تابع	فرمانبرداری کرنے والا	رسائی	پہنچ
تحقیر و تذلیل	رسوا کرنا، حقیر سمجھنا	رِفاہِ عام	سب کے فائدے کا کام

مشمولہ تحریروں میں الفاظ کے معانی ومفاہیم

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
روگردانی	منہ پھیرنا، نافرمانی	مستامن	جس کو امان دے دیا گیا ہو
زدوکوب	مار پیٹ	مسترد	رد کیا ہوا، واپس کیا ہوا
ستم رسیدہ	مظلوم	مسخ	بگڑی ہوئی صورت
سوز وگداز	خشیت، تڑپ	مطلق	جس کا حکم عام ہو، آزاد
سری دعوت	خاموش طریقے سے تبلیغ	معدنیات	دھات، جو چیز کان سے نکلے
شیرخواری	دودھ پینا	مقہور	جس پر ظلم کیا گیا ہو
شاہراہ	عام راستہ، چوڑی سڑک	مقید	جس کا حکم خاص ہو
شہ خوباں	بہت خوبصورت، محبوب	ملوکیت	بادشاہت
صنعت پیشہ	کاروباری	مناقب، منقبت کی جمع	بڑوں کی تعریفیں
طَرِّقُوْا	راستہ دو	منحرف	پھرا ہوا
عددی لحاظ سے	گنتی کے اعتبار سے	منہاج نبوت	نبوی طریقہ
قیلولہ کرنا	دوپہر کھانے کے بعد تھوڑی دیر آرام کرنا	منکسر المزاج	عاجزی اور تواضع کرنے والا
لازوال	ہمیشہ رہنے والی چیز، دیر تک رہنے والی چیز	مہ لقا	خوبصورت
متقدمین ومتاخرین	اگلے اور پچھلے زمانے کے نیک لوگ	میثاق	وعدہ، معاہدہ
متواتر، خبر احاد	حدیث کی ایک قسم	نافذ کرنا	لاگو کرنا
متضاد	خلاف، الٹا	نسخ، منسوخ	حکم کا بدل جانا، بدلا ہوا حکم
مجمل	مختصر، جس کی تفصیل نہ ہو	نقل مکانی	ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا
محور	مرکز، بنیاد	وارد	آنے والا، موجود
مذہب مختار	پسندیدہ مذہب	وسیع تر	زیادہ پھیلا ہوا
مرتد	جو اسلام سے پھر جائے	ہمہ جہت	چو طرفہ، ہر اعتبار سے
مبعوث	بھیجا ہوا		

نوٹ: مذکورہ بالا الفاظ کے معانی ومفاہیم مشمولہ مضامین کے معانی مفاہیم کے اعتبار سے دیے گئے ہیں۔

ماھنامہ خضر راہ حاصل کرنے کے پتے

الہ آباد واطراف

ابومیانز شاھی اسٹور،نوراللہ روڈ،الہ آباد-9839457055
محمد فیس خاں، ممتاز العلوم، تمئی، کوشامبی۔9936890704
محمد زبیر عالم،کریاواں،منصورآباد،الہ آباد-9795252994
محمد امتیاز، کنڈا، پرتاپ گڑھ، یوپی-8808646082
حجاز بک ڈپو،سیف آباد، پرتاپ گڑھ، یوپی-9839112969
عمران احمد، بابو پوروا، کانپور-9839101833
مولا نا منور حسین،سمنان گارڈن، لکھنؤ-9889245245
حافظ نیر اعظم، کینٹ روڈ،لال باغ،لکھنؤ-9125139191
امام مسجد بدا خاں،کھٹک پورہ،فرخ آباد،یوپی-8858839054
مدرسہ فیض العلوم صابریہ،گاندھی نگر،آگرہ-9286192523
نور نبی بک سیلر،ڈالمنڈی، وارانسی

ممبئی واطراف

قاری سرفراز، دھاراوی،ممبئی-9819291874
شیخ جاوید اقبال،شیلیس نگر،ممرا،مہاراشٹر-9322865066
محمد ابراھیم، شولا پور،مہاراشٹر-9421067863
ابراھیم۔منگل گیری،شولا پور-9421067863
عبد الوھاب،ہاؤسنگ بورڈ،مڈگاؤں،گوا-9763900918
عادل نورانی، الامین مسجد،سلطانیہ جمخانہ،سورت-9879657766
گلشن میڈیکیئر،سکندرآباد،حیدرآباد-27716760
خادم بکڈپو، پراسیا، چندواڑہ، ایم پی-9039090386

جنوبی ہند واطراف

محمد سلمان، سلاگٹہ،چکبالم پور،کرناٹک-9880095263
مولانا مشتاق، بیلگام،کرناٹک-8147449067
عزیز صدیق احمد، H.K.P. روڈ، بنگلور-9343324034
مدرسہ بیت القرآن،وینگل راؤنگر،نیلور-9849647618
غلام ذو النورین، حسینی مسجد،بیکانیر-9460172623
قریشی نیوز ایجنسی،رجک سنیماروڈ، راورکیلا، اڑیسہ 9439499458
آمر نانگبری، ہاویل روڈ،لابان،شیلانگ،میگھالیہ-8794042067
حافظ شبیر شاداب، دُرگ، چھتیس گڑھ-7869230382

دہلی واطراف

خواجہ بک ڈپو،مٹیامحل، جامع مسجد، دہلی-9313086318
مولانا عبد الودود، النور مسجد، جنک پوری، دہلی-9650203792
راجا اسٹیشنری،شاہین باغ،Ext روڈ،نئی دہلی-9891590739
مولانا شفیق،مسجد عمر فاروق،شاہین باغ، دہلی-9716559786
الجامعۃ الاسلامیہ، جیت پور II، دہلی-9650934740
شاہ صفی اکیڈمی، بٹلہ ہاؤس، دہلی-9910865854
حافظ ھارون، قیلے والی مسجد، اٹاوہ-07417842567
محمد ارشد خان، کشمیری گیٹ، فیروزآباد، یوپی-9259589974

کولکاتا واطراف

نیوز پیپر ایجنٹ، رابندراسارانی، کولکاتا-9748210140
بک اسٹال، نیئر مسلم انسٹی ٹیوٹ، کولکاتا، 16۔9330643486
خانقاہ نعمتیمٹیابرج، کولکاتا-09831746380
مدرسہ سلیمیہ فیض العلوم، کمرہٹی، کولکاتا-9748421851
نسیم بک ڈپو،کولوٹولہ، کولکاتا-9339422992
رضا بک سینٹر، روشن گلدار لین،ٹکیہ پارہ، ہاوڑہ-9330462827

بہار واطراف

امدادیہ بک ڈپو، جامع مسجد روڈ، ہزاری باغ-9835523993
دار العلوم غریب نواز، جھلوا، گڑھوا، جھارکھنڈ-
محمد اجمل، جپلا، پلاموں، جھارکھنڈ-9430003405
دلکش بک ڈپو، رام گڑھ، جھارکھنڈ-9798306353
بک ایمپوریم، اردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ-9304888739
مولانا غلام سبحانی، رضا مسجد، مہندرو، پٹنہ-9386979260
مراد علی، بارون بازار، اورنگ آباد، بہار-9507840625
حافظ عبداللطیف، نیل کوٹھی، ڈہری اون سون، رہتاس، بہار-
انصار بک ڈپو، بارہ پتھر، ڈہری اون سون-8603741579
مدرسہ عارفیہ سعید العلوم، نہوٹا شیر گھاٹی، گیا-9939479919
رضابک سیلر، کمپنی باغ، مظفرپور، بہار-9709634293
دار العلوم تاج الشریعہ،مصری گنج، مدھوبنی-9931431786
دینی کتاب گھر،ڈومراروڈ، راجو پٹی، سیتامڑھی-9661721493
اسلامک ایجوکیشن سینٹر،ڈھاکہ،موتیہاری-9910865854

نوٹ: ایجنسی حاصل کرنے کے خواہش مند حضرات رابطہ کریں:9312922953

شرح اشتہارات اور سالانہ ممبرشپ کی تفصیل

SUBSCRIBE TODAY:

Fill in this form with your details for subscription and mail along with your cheque/DD to the following address:

SHAH SAFI ACADEMY

Jamia Arifia, Saiyed Sarawan, Kaushmbi, Allahabad, U.P Pin: 212213

Cheque/DD In favour of, **"SHAH SAFI ACADEMY"**

HDFC Bank A/c No. 22631450000118

Name:..

Village:...

City.........................State...........................Pin Code:..................

Tel. No:.......................................E-mail:.......................................

MAHNAMA KHIZR-E-RAH SUBSCRIBTION FARE:

One Year	:	200
Five Years	:	900
Life Time	:	5000

ADVERTISING RATES:

Cover page Colour	Half Page Colour	Black & White
Back Cover 10000.00	Back Cover 5000.00	Full Page 3000.00
Front Inside Cover 8000.00	Front Inside Cover 4000.00	Half Page 2000.00
Back Inside Cover 8000.00	Back Inside Cover 4000.00	

ADVERTISING AND SUBSCRIBTION OFFICE

Shah Safi Academy, Jamia Arifia,
Saiyed Sarawan, Kaushambi,
Allahabad,(UP) Pin: 212213
Mob: 9312922953, 08382923993
E-mail: khizrerzh@gmail.com